عظیم شخصیتیں

۹

شیخ کلینیؒ

تألیف

حسن ابراهیم زاده

ترجمہ: سید حسن عباس فطرت

علما و دیگر

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11, M... Heights
Mirza Kaleej Baig Road,
Soldier Bazar
Karachi.
MASOOMEEN WELFARE TRUST (R)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ACC No. 7514 .... Date ....
Section .... Status ....
D.D. Class ....
NAJAFI BOOK LIBRARY

عظیم شخصیتیں

شیخ کلینیؒ

تألیف

حسن ابراهیم زاده

ترجمہ: سید حسن عباس فطرت

انصاریان پبلیکیشنز
پوسٹ بکس نمبر ۱۸۷-۳۷۱۸۵
قم جمہوری اسلامی ایران ٹیلی فون نمبر ۷۴۱۷۴۴

کتاب کا نام ـــــــــ شیخ کلینیؒ

تألیف ـــــــــ حسن ابراہیم زادہ

ترجمہ ـــــــــ سید حسن عباس فطرت

خطاطی ـــــــــ سید قلبی حسین رضوی کشمیری

ناشر ـــــــــ انصاریان پبلیکیشنز

سال طبع ـــــــــ ربیع الاول سنہ ۱۴۱۸ھ (پہلا ایڈیشن)

تعداد ـــــــــ ۲۰۰۰

چھاپخانہ ـــــــــ بہمن

فہرست

- مقدّمۂ مؤلف ۔۔۔۔ ۷
- سرآغاز غیبت ۔۔۔۔ ۹
- میلادِ آفتاب ۔۔۔۔ ۱۱
- سرزمین تشیّع ۔۔۔۔ ۱۴
- عصرِ حدیث ۔۔۔۔ ۱۹
- حرمِ اہل بیتؑ ۔۔۔۔ ۲۲
- بارگاہ اہل بیتؑ میں ۔۔۔۔ ۲۴
- نامورانِ گمنام ۔۔۔۔ ۳۱
- گم شدہ جواہرات ۔۔۔۔ ۳۵
- علمِ امامت بہ کتاب ۔۔۔۔ ۳۸

- ایک اور ہجرت ———— ۳۹
- عقیدہ و سیاست کا محاذ ———— ۴۲
- ثقۃ الاسلام ———— ۴۶
- نسائی ہم عصر کلینیؒ ———— ۵۰
- کلینیؒ بغداد میں ———— ۵۴
- بیس سال کی محنت ———— ۵۸
- کلینیؒ مسند تدریس پر ———— ۶۲
- کلینیؒ کا (سبک) اسلوب ———— ۶۵
- خلاصۂ عصر خود ———— ۷۰
- ستاروں کے ٹوٹنے والا سال ———— ۷۶
- پیکرِ پاک کلینیؒ ———— ۸۱
- منابع و ماخذ ———— ۸۴

مقدمۂ مؤلف

کلین سے خمین کا زمانی فاصلہ گیارہ صدیوں سے زائد نہیں لیکن خدا ہی جانتا ہے کہ تاریخ کی اس گذرگاہ پر کتنے ابرار ونیکوکاروں کے جسم پر تازیانے پڑے اور کتنے سر دیدیئے گئے تاکہ کلینیؒ نے جس عمارت کا سنگ بنیاد رکھا تھا خمینیؒ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچادیں۔ کلینیؒ وخمینیؒ ایک ہی جان کے دو قالب ہیں ایک خصوصیت دونوں میں مشترک ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے خود کچھ نہ کہا۔ اگر زبان سے کہا تو تب جب خدا نے کہا اور قلم نے تب لکھا جبکہ خدا نے لکھا۔

کلینیؒ کے باقیات میں آج ہمارے پاس "کافی" کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ مگر کافی ہے کیا ؟ کافی ہی تو کلینیؒ کا شناسنامہ (شناختی کارڈ) ہے اور ایسا شناسنامہ کہ گیارہ سو سال کے بعد آج بھی تازہ بتازہ افادات بخشتا ہے اور اجتہاد کی چوٹی کو سر کرنے کے لئے اس راہ سے گذرنا لازم ہے کہ بغیر اس کے کوئی چارہ نہیں۔ وہ شناسنامہ جو اپنے سینہ میں ایسے ایسے نایاب ترین گوہر ہائے آبدار رکھتا ہے جس کے ادراک سے بہت سے غوّاصان علم و فہم قاصر ہیں۔

احادیث تشیّع کی جمع آوری میں کلینیؒ کی بے پناہ کوشش جو بیس سال

تک جاری رہی صحاح ستہ کے جملہ مرتبین کی سعی و کوشش سے بالاتر و قیمتی ہے جسے اہل سنّت کے چھ محدّثین نے تقریباً سو سال کی مدت میں جمع کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلینیؒ جب تک جوان تھے تو ادھر سے ادھر، یہاں سے وہاں گھومتے رہتے اور خدا سے لو لگاتے ہوئے حدیث کو اپنے دل میں اتار کے اس پر عمل کرتے رہے۔ جب پیر و مسن ہوئے اور آرام کا زمانہ آیا تو ایک جگہ بیٹھ گئے اور خدا کے لئے لکھا۔ اپنی کوئی بات کہی ہی نہیں بلکہ اپنے بارے میں مکمل خاموشی اختیار کرلی۔ انہوں نے اپنی عمر کے ایک لمحہ و ثانیہ کو اپنا نہیں جانا...

اللہ اکبر! اس قدر خود گزشتگی و خدا سے پیوستگی بھی ہوتی ہے؟

اس کتاب میں ہم قبیلۂ ابرار کے دوسرے بہادر سے آشنائی پیدا کریں گے اور شیعی حدیث کی اہم ترین کتاب کو جمع کرنے والے ثقۃ الاسلام کلینیؒ کے ایمان، نور و زہد و پارسائی کا مشاہدہ کریں گے اور مغربی ثقافت و تمدن کے ہجوم میں اپنا سر کلینیؒ کے آستانہ پر رکھیں گے اور ایران اسلامی و دنیائے اسلام کی نسل جوان کو دعوت دیں گے کہ آفتاب حدیث کی حرارت و فروغ سے بہرہ مند ہو۔ وما توفیقی الّا باللہ العلی العظیم

مؤلف

سرآغازِ غیبت

شیعوں کے گیارہویں امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے دیگر اجداد پاک و طاہر کی طرح سے ہمت شکن رنج و مصائب کا سامنا کرتے ہوئے ۲۹ سال کی عمر میں غریبانہ ومظلومانہ انداز سے معتمد عباسی کے ہاتھ سے شربت شہادت نوش فرمایا اور ان کے فرزند بقیۃ اللہ الاعظم امام زمان علیہ السلام نے بشریت کی نجات اور تشیع کی امامت کی زمام اپنے ہاتھ میں لی۔

بنی عباس جو بنی امیہ کی طرح علویوں کو طاقت و اقتدار سے دور رکھنے کے لئے اہل بیتِ پیغمبر پر کڑی نظر رکھتے اور اس مقصد کی برآری کے لئے وہ شیعوں پر ہر قسم کے ظلم و ستم کو روا رکھتے تھے، جب انھیں یہ پتہ چلا کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کا فرزند وہی امام زمان علیہ السلام و مہدی موعود ہے جس کے ظہور کا مژدہ روایات میں سنایا گیا ہے تو انہوں نے آپ کو پانے اور ڈھونڈھ نکالنے کی فکر میں گھر گھر اور گلی گلی کی تلاشی لینی شروع کر دی اور ان کی یہی تلاشِ شدید آپ کی غیبت کا سرآغاز بنی جس کو "غیبت صغریٰ" کا نام دیا گیا ہے۔

امام عج حکمِ خدا سے دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئے اور "خاص نواب"

کے توسط سے شیعوں سے اپنا ربط بنائے رکھا اور ان نوّابین کے توسط سے زمین کو اپنے وجود مقدس سے مزین رکھا۔ اس پورے دور میں عقیدت مند شیعوں کا حال یہ تھا کہ جانی و مالی خطرات کے باوجود مخفیانہ طور سے بنی عباس کے جاسوسوں اور سپاہیوں کے ایجاد کردہ خوف و دہشت کے ماحول میں بھی اپنے وجوہات (شرعی رقوم و محصولات) کو آنحضرتؑ کے خاص نوابین تک پہونچا دیتے تھے اور موجودہ حالات کے مطابق زندگی گذارنے کی ہدایت حاصل کرتے تھے۔

مگر امامؑ کے منتخب نمائندوں اور تشیّع کے ان پرچمداروں سے ملاقات مشکلات کا حل دریافت کرنا، احکام اسلامی کے مسائل سے آگہی حاصل کرنا بزرگوں اور علمائے شیعہ کے لئے سخت دشوار تھا، عوام الناس کا تو ذکر ہی کیا۔ چنانچہ اس زمانے کے شیعہ ایک ایسی کتاب کی تلاش میں تھے جس میں مکتب اہل بیتؑ کے مطابق تمام سیاسی، اجتماعی، اخلاقی و فقہی مسائل کا حل موجود ہو اور ائمہ اہل بیتؑ کی زبان سے اس کا بیان ہو تاکہ وہ لوگ بغیر کسی شک و شبہ، ابہام و اشکال کے اطمینان و اعتماد کامل کے ساتھ اس کتاب سے رجوع کر سکیں اور یہی نہیں کہ اپنے دینی و اسلامی اعمال کو جان کر اس پر عمل پیرا ہوں بلکہ بنی عباس کے مظالم سے پیدا گھٹن کی فضا اور ان کے گماشتوں کی سختی و جاسوسی سے تنگ آکر اِدھر اُدھر سفر پر مجبور نہ ہوں خصوصاً اس کے لئے تشیّع کے علمی مراکز و نواب خاص سے رجوع لازم نہ ہو۔

میلادِ آفتاب

وہ زمانہ جبکہ تمام اسلامی ممالک میں بنی عباس کے نام کا سکہ چلتا تھا اور بنی عباس کا چہرہ دنیا میں اسلام کی شناخت بن گیا تھا۔ سرزمین ایران میں بنی عباس کا ذرّہ برابر رعب نہیں تھا اور وہاں پر قلب تشیّع مثل سابق شجاعانہ و بےباکانہ دھڑکتا تھا اسی ایمان و زندگی کی نور آفریں تپش میں شہر ری سے ۳۸ کلومیٹر دور کلین نامی ایک دیہات میں ایک ایسے خاندان میں ایک بچہ کی ولادت ہوتی ہے جو اہل بیتؑ کے عشق و محبت میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایسا بچہ کہ صرف اس کی زندگی ہی "غیبت صغریٰ" سے مخلوط نہ تھی بلکہ وہ خود بھی ایک آیت بزرگ تھا جس کا نام و آثار جہانِ اسلام میں ہمیشہ باقی رہے گا۔

ان کا نام اس کے والد ماجد یعقوب بن اسحٰق نے محمد رکھا جو خود ایک پاک و بافضائل انسان تھے۔ انہوں نے اپنے نومولود پسر کے کانوں میں خود اذان و اقامت کہی۔ ان کی والدہ بھی علم حدیث کے خاندان بزرگ کی پاک و عفیف خاتون تھیں جن کی آغوش کلینیؒ کی پہلی درسگاہ بنی۔ ایک قول کے مطابق محمدؒ کی ماں کے بھائی یعنی کلینی کے ماموں "علی بن محمد بن ابراہیم بن ابان "حدیث دانوں

میں نادر روزگار استاد مشہور تھے۔ علم و تقویٰ میں ان کا نفوذ اور احادیث پر تسلط اسی طرح ان کی روایات پر راویوں کا اعتماد عوام و خواص میں مشہور تھا۔ مؤلفِ "شہداء الفضیلت" کے مطابق وہ چند عظیم الشان راویوں میں سے ایک تھے جن کے توسط سے سہل بن زیاد سے حدیث نقل کی جاتی ہے۔"

محمد کے ماموں کو ان کی بستی اور شہر ری کے لوگ علاّن کے نام سے جانتے تھے۔ علی بن محمد بن ابراہیم ایک مرد بزرگ اور با اثر شخصیت مانے جاتے تھے گویا مادر کلینی کے عالم خیز خاندان کی بزرگی جو پے در پے نسلاً بعد نسلٍ چلی آرہی تھی اس وجہ سے سبھی اس خاندان کو علاّن کے نام سے پہچاننے لگے۔ علامہ امینیؒ کے مطابق بظاہر علاّن ان کا خصوصی لقب نہیں تھا بلکہ اس خاندان کے لوگ عام طور سے اس لقب سے مشہور تھے۔

کلینیؒ کے والد یعقوب بن اسحٰق نے ابتدائے طفولیت سے بیٹے کی تربیت اپنے ذمہ لے لی اور اسے عمل کی زبان سے اخلاق و اطوار و آداب اسلامی سکھائے انہوں نے ابتدائی علوم اسلامی کے مراحل اپنے والد و ماموں کے سایہ میں طے کئے اور اپنے ماموں سے رجال و حدیث کے میدان میں استفادہ کامل کیا۔ در حققیت کلینیؒ کی نشو و نما ایسے مکان میں ہوئی جو درس و تدریس کی محفل تھا۔ انہوں نے کم سنی کے عالم میں حدیث کا درس اسی مدرسہ میں حاصل کیا۔

کلینیؒ کے ماموں سفر حج و زیارت خانہ خدا کی راہ میں شہادت پا گئے اور دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے۔ علاّن کی خبر شہادت اس وقت کے عالم تشیع خصوصاً علم حدیث کی محفلوں کے لئے دردناک تھی اگرچہ ان کی شہادت کو صدیاں

گذر چکی ہیں مگر علمائے رجال کا ان پر نقل حدیث کے تعلق سے آج بھی اتنا ہی اطمینان ہے
ما ان کے شہید ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔"

وہ صرف محدثین شیعہ اور راویان حدیث کے مورد اعتماد ہی نہیں تھے
ن کا نام "شہیدان راہ فضیلت" کی صف میں بھی تشیّع کی خونچکان تاریخ کیلئے
بخش ہے۔

کلینیؒ اسی محدث شہید اور اپنے پدر بزرگوار کی سرپرستی میں پلے بڑھے۔
آج بھی اگر کلین کا سفر ہو تو وہاں شہر ری حسن آباد کے نزدیک کلینیؒ کے والد یعقوب
بن اسحٰق کی قبر نظر آئے گی جو صدیاں بیت جانے کے بعد بھی اس علاقے کی شیعوں
کی زیارت گاہ اور جائے توسّل ہے اور یہی ان کے والد علاّم کے علم و تقویٰ کا ثبوت
ہے۔ ایسا باپ جس کے حضور میں انہوں نے کسب فیض کیا اور ان سے ایمان و یقین
کی "الف"، "بے" سیکھی۔

کلینیؒ نے ابتدائی علوم کی تحصیل اور رجال و حدیث کے سرچشموں سے
آشنائی پیدا کرنے کے بعد محدّثین کے شہر کلین سے حرکت کی اور مکتب اہل بیتؑ
عصمت و طہارت سے زیادہ سے زیادہ بہرہ مند ہوئے اور علوم وحی کے بے پایاں
علوم سے سیراب ہونے اور کمال انسانی کی منزلوں کو طے کرنے کی غرض سے
شہر ری کی طرف چل پڑے۔

سرزمین تشیّع

کلین سے ری کی مسافت کچھ زیادہ نہیں کل ۶ ۱/۲ فرسخ ہے مگر جو ہمیشہ کے لئے اپنی مادر گیتی کو الوداع کہکر دیار غربت سے ہم آغوش ہونا چاہے اس کے لئے تو یہ فاصلہ بہت طویل ہے جہاں آدمی پلا بڑھا ہو وہاں کے کوچہ و بازار، درخت و تالاب کی یادوں کو دل سے مٹا دینا سخت معاملہ ہے لیکن جہاں یہ خیال آجائے کہ تمام دنیا خدا کی زمین ہے اور خدا ہمیشہ اپنے یاد کرنے والے کے ساتھ ہے تو وہ انسان کیلئے تمام تکالیف کو آسان بنا دیتا ہے۔

جس وقت کلینیؒ شہر ری میں داخل ہوئے تو ہر چند کہ اس زمانہ میں ری کی زیادہ آبادی حنفی و شافعی سنّیوں پر مشتمل تھی لیکن تاریخ میں ری ہر زمانے میں شیعوں کا شہر مانا جاتا رہا ہے کیونکہ اس کے اطراف واکناف کے دیہاتوں میں بہت ہی ایثار گر شیعہ آباد تھے جنھوں نے شہر ری کی سنّی اکثریت پر اپنے اخلاق و پابندی و آگاہی مسائل اسلامی سے گہرا اثر ڈالا ہوا تھا۔ شہر ری ان دنوں ایران و جہان اسلام کے عظیم ترین شہروں میں گنا جاتا تھا۔ اس کی آن بان شان و شوکت سے اجنبی مسافر کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ مشہور جغرافیہ داں یاقوت حمویؒ نے

کلینیؒ کے زمانے میں اس شہر کی تعریف یوں کی ہے :

"استخری (جو ۳۴۰ ھ میں زندہ تھا) نے کہا ہے کہ شہر ری رقبہ و آبادی میں اصفہان سے بڑا ہے اور مشرق میں بغداد کے بعد اس شہر سے زیادہ آباد کوئی شہر نہیں ہے ہر چند کہ رقبہ کے لحاظ سے نیشاپور اس سے بڑا ہے۔ ری طول و عرض میں ڈیڑھ فرسخ ہے اور اس کے ارد گرد ایسے دیہات ہیں جن میں سے ہر ایک شہر سے بڑا ہے"۔

اس جملہ سے استخری کا مراد یہ ہے کہ اس زمانے کا کلین صدیوں بعد کے امروزہ کلین جیسا نہ تھا بلکہ وسعت کے لحاظ سے ایک شہر جیسا تھا جو ایک بڑے شہر ری کے قریب آباد تھا۔

اس شہر میں جسے قلب ایران مانا جاتا تھا مختلف عقائد و مذاہب کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ امن و چین سے رہتے تھے لیکن یہ سکون کبھی کبھی سیاسی جھگڑے سے برہم ہو جاتا تھا کیونکہ ری، نیشاپور، خراسان و طبرستان کا نقطہ عبور تھا اور اس کی زمین تمام اسلامی زمینوں سے زیادہ زرخیز تھی اور اس پر تسلط و قبضہ کو تمام ایران پر قبضہ تسلیم کیا جاتا تھا یہی جغرافیائی خصوصیت اس کا سبب بنی کہ گوناگوں مذاہب اور نئے نئے فرقے اس سرزمین پر کثرت سے پائے جائیں۔

ایران پر تسلط حاصل کرنے کا جذبہ لے کر فرقہ اسماعیلیہ نے اس علاقے میں دوسروں سے زیادہ سرمایہ گذاری کی تھی جسے اس شہر میں اپنے خیالات و افکار کی ترویج و تبلیغ پر خرچ کیا جاتا تھا۔ اس طرح ری مختلف فرقوں و مذاہب مثلاً اسماعیلیہ و

شافعی و حنفی و شیعی کے نظریات و آراء کا مجتمع بن گیا تھا اور کلینی اس زمانے میں اپنے تحصیلات علمی کے ساتھ ساتھ نہ یہ کہ ان دیگر مذاہب و فرق کے عقائد و نظریات سے آشنا ہوتے گئے بلکہ تشیّع سے انحراف کرنے والی تحریکوں کی اصلی ماہیت کا مطالعہ کیا۔ کلینی نے مرض پہچان لیا اور اس کی دوا میں لگ گئے جیسا کہ انہوں نے "کافی" کے مقدمہ میں اشارہ کیا ہے کہ لوگوں کا مرض کلام اہل بیتؑ سے جدائی تھی اور میری نظر میں اس کی دوا صرف اہل بیتؑ کا کلام تھا۔ کلینیؒ نے اس وقت ہر شور و غل سے دور رہ کر اپنی راہ معین کر لی اور عہد کر لیا کہ سوائے احادیث کی جمع آوری و ضبط کے اور کسی طرف نہ جائیں گے اس غرض سے انہوں نے بعض بزرگ اساتذہ جیسے کہ "ابوالحسن محمد بن اسدی کوفی ساکن ری" کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا اور احادیث نویسی اور اس کے بارے میں گفتگو و بحث کر کے اپنی لیاقت و صلاحیت کو ثابت کیا۔

دوسری طرف حضرت حمزہ بن موسی بن جعفرؑ اور حضرت عبدالعظیم حسنیؑ کے مقبرہ کا وجود جس نے اس شہر کی معنویت میں اضافہ کیا اور کلینیؒ کی طرح کے طلاب علوم کی کوشش، بحث و درس میں تازہ روح پھونک دی اور کلینی نے جس راستے کو منتخب کیا تھا اس میں انھیں زیادہ دل گرم کر دیا۔ اس زمانے میں طبرستان پر علویوں کا تسلط اور بنی عباس کی منشا کے خلاف پہلی حکومت کی تشکیل نے تشیّع کو ری میں شوخ و قوی تر بنا دیا اور ری کے تمام حالات و کیفیات پر شیعوں کے تسلّط کا موقع مہیا کر دیا یہاں تک کہ ری کی سرزمین میں احمد بن

حسن مادرائیؒ نے تشیّع کو قدرت و اختیار بھی دلوادیا۔ جیساکہ یاقوت حموی لکھتا ہے کہ :

"اس وقت (۲۷۵ھ) جبکہ اس نے ری پر غلبہ پایا تو اس نے اس شہر میں جہاں اہل سنّت وجماعت تھے تشیّع کو ظاہر و متعارف کیا۔"

لیکن کیا ری پر تشیّع کی حکومت واقتدار کے زمانے میں کلینی بھی ۲۷۵ھ میں اس شہر میں موجود تھے اور اس کامیابی کا نزدیک سے مطالعہ کرنے والوں میں تھے یا نہیں یا انہوں نے "مادرائی" کی چڑھائی سے قبل ہی اس شہر کو قم کے ارادے سے ترک کر دیا تھا یہ باتیں تاریخ میں واضح نہیں ہیں، بالکل ویسے ہی جیسے تشیّع کے۔ اس مرد دلیر کی زندگی میں بہت سی باتیں مبہم رہ گئی ہیں۔

کلینی کی زندگی کے ہر دور میں خواہ وہ شہر ری میں قیام کا زمانہ ہو یا اس کے

۱؎ احمد بن حسن مادرای کے تشیّع کا حال اصول کافی کتاب الحجۃ میں کلینی نے یوں لکھا ہے کہ احمد بن حسن کہتا ہے: میں جبل (بغداد و آذر بائیجان کے درمیان ایک قصبہ) پہونچا اگرچہ میں حضرت صاحب الامر کی امامت کا معتقد نہیں تھا مگر اولاد علی کو بطور کلی دوست رکھتا تھا یہاں تک کہ یزید بن عبداللہ (اس علاقے کا حاکم اور امام زمانہ کا ارادتمند) مرگیا اور عالم مرض میں وصیت کر گیا کہ اس کے گھوڑے اور تلوار و کمر بند کو اس کے آقا (حضرت قائم علیہ السلام) کو دیدیا جائے۔ میں ڈرا کہ اگر گھوڑا اذکوتکین (خلفائے عباسی کا ترک امیر) کو نہ دیا گیا تو وہ مجھے آزار پہونچائیگا اس لئے گھوڑا، تلوار، کمر بند کی قیمت سات سو دینار لگا کر کسی کو کچھ نہ بتایا۔ ناگاہ عراق سے میرے پاس ایک خط آیا کہ تیرے پاس گھوڑے، تلوار، کمر بند کا جو سات سو دینار تھے میرے پاس بھیجدے (اس وقت میں آنحضرت کی امامت کا معتقد ہو گیا) اصول کافی ج ۲ ص ۴۶۳ ۔ اس واقعہ کے بعد احمد بن حسن شیعہ ہو گیا ملازمت سے استعفیٰ دیدیا۔ کچھ دنوں بعد ری پر غلبہ حاصل کر کے یہاں مذہب تشیّع کو قوت بخشی۔

بعد کا، یہ بات دیکھی جا سکتی ہے کہ اگرچہ انہوں نے اپنی حیات کا بیشتر حصہ علم حدیث پر صرف کر دیا مگر وہ کسی وقت بھی ان واقعات و مسائل سے غافل نہیں رہے جو ان کے اطراف و اکناف کے شیعوں کو درپیش تھے نہ انہوں نے کنجِ عزلت میں زندگی گذاری چنانچہ ہم قرامطہ کے مسئلے میں دیکھیں گے کہ کس طرح وہ دلیرانہ انداز میں میدان میں اترے اور صحیح و درست موقف اختیار کیا۔

بلاشبہ کلینی ایّامِ جوانی اور پر آشوب و ہنگامہ خیز دنوں میں شیعی دنیا سے جدا نہیں تھے لیکن کہاں اور کس طرح درس و بحث و طلبگی کے زمانہ میں اپنے علاقے کے شیعوں کی حمایت کرتے رہے؟ یہ ان کی تاریخ زندگی کا گم شدہ ورق ہے اور تشیّع سے ان کے اخلاص و عشق کی تاریخ میں اضافہ بھی۔

عصرِ حدیث

کلینیؒ کے عہد کو "عصرِ حدیث" کہنا زیادہ مناسب ہے کہ اس زمانے میں تمام ممالک اسلامی کو ایک تحریک نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا احادیث و روایات کی دریافت اسے سننا و لکھنا شروع ہو چکا تھا اور تشنگانِ علم حدیث ایک شہر سے دوسرے شہر ایک محفل سے دوسری محفل میں راویوں، محدثوں کی تلاش میں سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے یہ لوگ ہمیشہ رختِ سفر باندھے رہے اور جہاں بھی کسی محدث کو پاجاتے زانوئے ادب تہ کر کے اس سے سیراب ہوتے اور ان سے حاصل خزانے کو حافظ کے سپرد کر دیتے یا قلم بند کر لیتے اور پھر آگے بڑھ جاتے اس طرح ان کا سفر اور تلاش جاری رہتی تھی۔ اہلِ سنّت کے پاس جو کچھ ہے اسی زمانہ کا ہے۔ ایک صدی سے کچھ کم مدت کے اندر "صحاحِ ستہ" (اہلِ سنّت کی احادیث کی چھ کتابیں) لکھی گئی اور اسے مرتب و مدوّن کیا گیا۔

بخاری (متوفی ۲۵۶) نے خراسان، عراق، شام و مصر میں سولہ سال گذارے اس سفر میں اس نے احادیث کی جمع آوری کی اور "صحیح بخاری" کے نام سے اہلِ سنّت کے لئے مجموعۂ احادیث چھوڑا۔ اس کے بعد مسلم بن حجاج نیشاپوری

نے بہت سے ممالک کا سفر کر کے "صحیح مسلم" لکھی اور ۲۶۱ھ میں نصر آباد نیشاپور میں وفات پائی اور ابو داؤد سیستانی (متوفی ۲۷۵ھ) نے "سنن ابو داؤد" محمد بن عیسٰی ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) نے "جامع ترمذی" و محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی (متوفی ۲۷۳ھ) نے "سنن ابن ماجہ" آخر میں عبد الرحمٰن احمد بن علی بن شعیب نسائی نے "سنن نسائی" تحریر کی۔

اہل سنّت کی ان چھ معتبر کتب احادیث کے مؤلفین کی تاریخ وفات پر نظر ڈالنے سے ایک نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ صحاح ستہ کے تمام مرتبین نے سوائے بخاری[1] کے کلینی کے حیات میں اپنی کتابیں لکھیں اور ان میں سے بعض جیسے نسائی کی سنن کافی کی تدوین کے زمانے میں مرتب ہوئی۔ اسی سے ہم اس عہد میں حدیث و روایات کی اہمیت کا پتہ لگا سکتے ہیں۔

جس زمانے میں کلینی تحصیل علم میں مشغول تھے امام ہادی علیہ السلام و امام حسن عسکری علیہ السلام کے شاگرد حتیٰ کہ وہ لوگ بھی زندہ تھے جنھوں نے براہ راست امام رضا علیہ السلام سے حدیث سنی تھی اور نقل روایت کرتے تھے اور ان تمام راویان و محدثین کے پاس سوائے چند اوراق، کتابچے اور اہل بیت کے منتشر ارشادات کے کچھ نہ تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان اوراق و کتب کا بیشتر حصہ اسی زمانے میں نابود ہو گیا تھا چنانچہ اس زمانے میں بھی جبکہ اہل بیت سے

[1] شاید بخاری بھی، کیونکہ کلینی کی تاریخ ولادت معلوم نہیں ہے۔

ربط رکھنے والے بقید حیات تھے احادیث شیعہ کے مٹ جانے اور شیعوں کے صحیح چہرہ میں تحریف کا خطرہ مدت دراز تک رہا جس میں سب سے اہم مسئلہ امام عصر کا دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہوجانا تھا یہ حالات و قرائن ایسے تھے کہ اس سے تشیع کا راستہ ہی بدل جاتا اور شیعوں کی ثقافتی میراث تباہ و برباد ہوجاتی۔

کلینی نے اپنے وقت کو پہچانا، حالات پر نظر ڈالی اور اس نکتہ کو ذہن میں رکھ کر اپنی جدوجہد میں لگ گئے کہ یہ زمانہ تشیّع کا عبوری دور ہے اور اگر اس زمانہ میں احادیث و روایات کو جمع کر لیا گیا تو مکتب تشیع ہمیشہ کے لئے سالم و انحراف و التقاط سے دور رہ کر اپنا سفر جاری رکھے گا یہی وجہ تھی کہ کلینی نے شہر ری کو اس کی جملہ خوبی و زیبائش کے باوجود ترک کر دیا اور قم کی طرف ہجرت کی جو ہمیشہ ہی محدثان و راویان و شاگردانِ اہل بیت کا شہر رہا ہے۔

لہ اس پر آشوب ذلیل و مناظرہ کے دور میں ایک مصیبت زمانۂ شیخ مفید میں انحرافی رجحان کی بھی تھی شیخ مفید جن کا زمانہ کلینیؒ کے بعد کا ہے۔ انہوں نے اپنی ساری کوشش اس پر صرف کر دی۔ کلینی نے جس کا آغاز کیا تھا یعنی تشیّع کی صحیح حرکت کا اثبات۔ دراصل انہوں نے صرف اپنے عہد ہی میں نہیں بلکہ اس کے بعد کے زمانے بھی تشیّع کے اصلی چہرہ کو دنیا کے سامنے رکھا اور اپنے بعد کے علماء کو اس صدی کے آثار سے بے بہرہ نہیں رہنے دیا۔

حرمِ اہل بیتؑ

قم ہمارا اور ہمارے شیعوں کا شہر ہے[۱]۔ یہ وہ جملہ ہے جو شیعان عالم کے چھٹے پیشوا کی زبان سے نکلا ہے اور صرف شہر ہی نہیں بلکہ اسے حرم اہل بیتؑ کا نام دیا گیا ہے۔ "وان لنا حرماً وھو بلدۃ قم"

قم اور اہل قم کی فضیلت آفتاب کی طرح سب پر عیاں ہے۔ ائمہ اہل بیتؑ نے بار بار قم اور قم کے باشندوں کی توصیف و تعریف میں گہر افشانی کی ہے اور اصحاب ائمہ میں سے بزرگترین افراد جیسے یونس بن عبد الرحمن و زکریا بن آدم اس شہر میں پیدا ہوئے ہیں۔

قم امام صادق علیہ السلام کے شاگردوں، امام رضا علیہ السلام کے اصحاب، امام جواد علیہ السلام کے زائرین اور امام موسیٰ بن جعفر کی دختر (معصومۂ قم فاطمہ) کے مرقد کے امانت داروں اور مجاوروں کا شہر ہے جو ہر شیعۂ علی علیہ السلام اور علم علی علیہ السلام کے ہر شیفتہ و عاشق کو اپنی طرف

۱۔ قم بلدنا و بلد شیعتنا

بلاتا ہے۔ شیعیان علی علیہ السلام خصوصاً شیفتگان علم علی اور آل علیؑ کے علم کے ہر متلاشی کے لئے جذب و کشش رکھتا ہے اور اس سے گریز ناممکن رہا ہے چنانچہ کلینیؒ جیسا دلدادہ شیعیت اور حرم امام صادق علیہ السلام کا شیفتہ قم کی معنوی فضا میں ایسا کھو گیا کہ خود ہمیشہ کے لئے اہل بیتؑ کا ایک حرم بن گیا۔

قم کے باشندوں کے تقویٰ و فضیلت، اصول اخلاق و اسلامی کی رعایت اور احکام الٰہی کی پابندی نے قم کو ایک ایسا شہر بنا دیا تھا کہ نہ تنہا ہر شیعہ بلکہ ہر فرقہ و مذہب کا پیرو وہاں زندگی گذارنے کا آرزو مند تھا۔ ایک حاکم شہر کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اس نے کہا کہ "میں کئی سال تک قم کا حاکم و عامل رہا لیکن میری نظر کسی عورت پر نہیں پڑی۔"

اہالیان شہر قم کا اہل بیتؑ سے عشق اس حد تک پہونچا ہوا تھا کہ وہ نہ یہ کہ بنی عباس کے والی و حاکم کو خراج و ٹیکس نہیں دیتے تھے بلکہ انہیں غاصبان حقوق اہل بیتؑ جانتے تھے اور شہر میں ان کا آنا بھی پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے ورود میں مانع ہوتے تھے اس لئے "خلفا کی جانب سے جو حاکم قم کے لئے آتا تھا وہ جان کے خوف سے شہر میں سکونت نہیں اختیار کرتا تھا۔

اس شہر میں امام زادوں اور ائمہ اطہارؑ کی اولاد امجاد کا وجود تشیع کے پایہ کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کرتا تھا اور انہوں نے اس ناقابل تسخیر قلعہ کو محکم تر و قوی تر بنا دیا بالآخر یہ حرم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح سے پائیدار و مضبوط ہوتا گیا۔

بارگاہِ اہل بیتؑ میں

کلینیؒ نے جب شہر قم میں قدم رکھا اور دختر موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی متبرک بارگاہ میں زیارت کے لئے حاضر ہوکر اس معصومہ مظلومہ کی غربت و سوگ پر آنسو بہائے تو قم اپنے دامن میں اس حرم مطہر کے ساتھ ساتھ خزانۂ اہل بیتؑ کے گرانبہا نایاب ترین لعل و گہر بھی رکھتا تھا اور اتنے کہ اس سے پہلے خود اس نے بھی نہ دیکھے ہوں گے یعنی پورا شہر کلام اہل بیتؑ کے عطر میں بسا ہوا تھا ہر مسجد و امام بارگاہ و حسینیہ میں حدیث دان اور راویان احادیث نقل حدیث کرتے نظر آتے تھے جن میں زیادہ تعداد ان مہاجرین کی تھی جنہوں نے ائمہؑ کی زبان مبارک سے براہ راست احادیث کی سماعت کی تھی۔

یہ فرزانگان تاریخ ایسے چراغ تھے جنھوں نے آفتاب ائمہ سے اخذ نور کیا تھا۔ انکا وجود ہی باعث و موجب ہوا کہ قم ہزاروں پروانوں اور نور کلام اہلبیتؑ کے پیاسوں کو اپنی طرف کھینچ لے، کلینیؒ بھی ان ہزاروں پروانوں اور نور کے شیدائیوں میں سے ایک تھے۔

کلینیؒ کے قم میں ورود کے زمانے میں سیاسی و دینی حاکمیت فضل و تقویٰ

سے مزین افراد کے ہاتھ میں تھی ان میں ایسے بھی تھے جو اپنے عہد میں شہرۂ آفاق حدیث گو مانے جاتے تھے۔ ان میں سب سے بلند شخصیت احمد بن محمد بن عیسیٰ اشعری کی تھی جن کا فضل و تقویٰ و عشقِ اہل بیتؑ کی کیفیت سب پر عیاں تھا۔

احمد بن محمد بن عیسیٰ کے جدِ اعلیٰ مالک بن عامر یمن کے اشراف میں تھے وہ مکہ آئے اور خدمت رسول خداؐ میں شرفیاب ہو کر اسلام لائے بعد میں یمن واپس چلے گئے وہاں اپنے قبیلہ (اشعریان) کے ستر افراد کو جن میں کچھ عورتیں بھی تھیں کشتی میں بٹھا کر مکہ لے آئے اور سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

مالک بن عامر اشعری پیغمبرؐ کے ان اصحاب میں تھے جن سے آنحضرتؐ بہت محبت رکھتے تھے۔ پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد انہوں نے نو آباد شہر کوفہ میں سکونت اختیار کر لی۔ مالک کے دو بیٹے تھے سعد و سائب یہ دونوں اور ان کے بیٹے عراق کے اشراف اور کوفہ کے ثابت قدم شیعوں میں نامور تھے اور سبھی اپنی نیک نامی شجاعت و عظمت و بزرگی میں معروف تھے وہ لوگ کوفہ سے اس وقت باہر نکلے جب حجاج بن یوسف ثقفی جیسے خونخوار حاکم نے ان میں سے ایک نامی گرامی شخصیت محمد بن سائب بن مالک کو قتل کروایا۔ محمد بن سائب کے قتل کے بعد ان کے چچا کی اولاد احوط، عبداللہ عبدالرحمٰن، نعیم اور سعد بن مالک بن عامر کے بیٹوں نے کوفہ کو ترک کر کے ایران کی راہ پکڑ لی۔

ایران پہونچکر اشعریوں نے قم کے اطراف میں اقامت اختیار کر لی عمارتیں بنائیں گاؤں بسائے، قصبات آباد کئے جو مدتوں بعد ایک دوسرے سے

مل گئے آخر کار ان سب کے مجموعہ کا نام قم پڑ گیا۔

احمد بن محمد بن عیسیٰ درحقیقت اپنے بہادر اجداد کے وارث اور قم کی بنیاد رکھنے والے تھے۔ انہوں نے کوفہ، بغداد و دیگر تمام شہروں کی سیاحت کی اور ۱۵۰ سے زیادہ راویان و حدیث دانوں سے ملاقات کی وہ امام رضا علیہ السلام حضرت امام جواد و حضرت ہادی علی النقی علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں بھی باریاب ہو چکے تھے۔

وہ بڑے باریک بین و دقیق نگاہ رکھنے والے تھے اور خود نقل حدیث کے تعلق سے بہت محتاط تھے۔ درسی محافل خصوصاً درس دیتے وقت نقل حدیث میں بڑی سختی کرتے اور جعلی یا غلو آمیز حدیثوں کے نقل کی شدید مخالفت و ممانعت کرتے تھے اور اتنی کہ نقل حدیث میں غلو کرنے والوں کو شہر بدر کر دیتے تھے۔ ان کی تاکید تھی کہ جن روایات کا سلسلۂ سند قوی ہو اسے نقل کرنا ضروری و لازم ہے کبھی کبھی وہ ضعیف حدیث کے نقل کرنے والے بزرگوں کو بھی اپنی گرفت میں لے لیتے تھے اور اس مسئلے میں وہ کسی کو چھوٹ نہیں دیتے تھے[۱] نہ رعایت کرتے۔ احمد بن عیسیٰ کی سلسلۂ سند و نقل حدیث میں اس احتیاط و سختی نے احادیث کی محفل میں ایک سنجیدگی و متانت پیدا کر دی تھی اور یہی بات سبب بنی کہ ایک محدث کے سلئے جو رکاوٹیں پیش آتی تھیں وہ کلینیؒ کے لئے دور ہو گئیں چنانچہ انہوں نے جس راستے

---

[۱] مثلاً ۲۵۵ ہجری میں انہوں نے چند ایسے محدثین کے ساتھ احمد بن محمد بن خالد برقی کو بھی ضعیف و غلو آمیز حدیث نقل کرنے کے جرم میں شہر بدر کر دیا تھا لیکن کچھ دنوں بعد صرف خالد برقی کو شہر میں واپس بلایا۔

کا انتخاب کیا تھا اور ان کے جو بلند ارادے تھے اس کے حصول کا راستہ پاٹوں پاٹ کھلا ہوا تھا۔

ممکن ہے کہ وہ زمانہ اسی کا مقتضی رہا ہو اور جو کچھ احمد بن محمد بن عیسٰی نے کیا اگر ان کے بجائے قم میں دینی و سیاسی اقتدار کا مالک کوئی دوسرا ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا۔ کیونکہ اگر اس عہد میں احمد بن محمد بن عیسٰی کی جیسی سخت گیری، نگرانی و تحفظ نہ ہوتی تو نہ جانے کتنے جوان طلاب علم رجال کے تعلق سے اپنی حساسیت کا اظہار نہ کر پاتے اور شائد علم حدیث کی تاریخ بھی دوسری طرح لکھی جاتی۔

کلینی نے اس مرد بزرگ (احمد بن محمد بن عیسٰی اشعری) سے استفادہ کرنے کے ساتھ ایک دوسرے استاد کے سامنے بھی زانوئے ادب تہ کیا جو "معلم" کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ وہی تھا جسے شیخ طوسی نے اپنی "رجال" میں یاران امام حسن عسکری علیہ السلام میں شامل کیا ہے اور اسے ان لوگوں کے زمرہ میں رکھا ہے جو خدمت امام حسن عسکریؑ میں پہونچے تھے وہ استاد و معلم سوائے "احمد بن ادریس قمی" کے کوئی اور نہ تھا وہ عالم جلیل جس کے بارے میں نجاشی نے لکھا ہے: "احمد بن ادریس ابو علی اشعری قمی ہمارے علماء کے درمیان موثق و معتبر دانشمند، مرد فقیہ اور بہت سی صحیح روایات و احادیث کا خزینہ دار تھا۔" اگر ہم کتب رجال میں احمد بن ادریس کے شاگردوں کو تلاش کریں تو کلینیؒ کا نام ان کے استاد (علی بن ابراھیم قمی) اور کلینی کے شاگرد (ہارون بن موسیٰ تلعکبری) کا نام ملیگا اور جبھی اس مرد بزرگ کی عظمت معلوم ہو سکے گی۔ اور جرأت کے ساتھ کہا جاسکیگا

کہ الحق وہ اس لقب "معلّم" کے لائق تھا۔

کلینیؒ نے اپنی تحصیلات علمی کے دوران ایک اور بزرگ شخصیت کو پایا تھا جس کو اگر اپنے زمانے میں بے نظیر نہ کہیں تو کم نظیر ضرور کہہ سکتے ہیں۔ یہ تھے "عبداللہ بن جعفر حمیری" ایسے بزرگ، جن کی عظمت کے سامنے تمام مورخین و علم رجال کے سواروں و حدیث کے شیفتگان نے سر جھکایا ہے وہ اصحاب امام حسن عسکریؑ کے زمرہ میں تھے ان کی تالیفات بہت ہیں لیکن افسوس کہ سوائے "قرب الاسناد" کے ان کی کوئی اور کتاب ہمارے پاس نہیں ہے "قرب الاسناد" اخبار و احادیث کا مجموعہ ہے جس کی سند امام معصومؑ تک پہونچتی ہے اور چونکہ اس کے راوی کم ہیں اس لئے اس کتاب کی احادیث عالی ہیں۔

علماء و محدثین میں سادات افراد " قرب الاسناد" کے مؤلف ہیں جن میں سے ایک "عبد اللہ بن جعفر حمیری" مذکور استاد بزرگ کلینی ہیں۔

ان تمام مشکلات، رنج و مصائب کو دیکھتے ہوئے، جسے اس گرانقدر دانشور نے راہِ خدا میں برداشت کیا اور ان کی تمام گم شدہ مولفات و آثار کی یاد میں ہم نئی نسل کے لئے ان کی کتاب "قرب الاسناد" کی پہلی حدیث نقل کر رہے ہیں۔

امام صادق علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار محمد بن باقر علیہما السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

"علی علیہ السلام جب سجدہ میں جاتے تو اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز

کرتے ہوئے فرماتے تھے: خداوندا! اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تو میری کسی ایسی چیز سے امتحان لے جس کی وجہ سے میں تیری معصیت میں آلودہ ہو جاؤں۔ خدایا! تو مجھے اپنی کسی شریر مخلوق اور پست افراد کا محتاج نہ کر اگر تو مجھے اپنے کسی ایک بندے کا محتاج کرتا ہے تو چاہئے کہ وہ لوگوں میں بہترین خصلت وجاہت، سخاوت والا خوش کلام وکشادہ دست ہو اور وہ مجھ پر ذرّہ بھر احسان نہ لادے نہ جتائے۔"

کلینی نے صرف حمیری ہی کے حضور میں نہیں بلکہ ان کے معروف ترین فرزند محمد بن عبداللہ حمیری سے بھی بہت کافی استفادہ کیا۔ کلینی کے ان تمام اساتذہ ومشائخ کی تعداد جن سے آپ نے روایت نقل کی یا ان کے نوشتوں سے اپنے علم وعرفان میں اضافہ کیا تقریباً ۳۵ نفر کے ہوتی ہے علاوہ ان بزرگوں کے جن کا ہم نے ذکر کیا کلینی نے اور بھی فقہا ومحدثین سے بھی کسب فیض کیا جیسے احمد بن محمد بن عاصم کوفی، احمد بن مہران، اسحاق بن یعقوب، حسن بن خفیف، حسن بن فضل بن زید یمانی، حسین بن حسن حسینی رسود، حسین بن حسن ہاشمی حسنی علوی، حسین بن محمد بن عمران اشعری قمی، حمید بن زیاد نینوائی (۳۱۰ھ) داود بن کورہ قمی، سعد بن عبداللہ اشعری (۳۰۰ھ) سلیمان بن سفیان، سہل بن زیاد آدمی رازی، علی بن حسین سعد آبادی، علی بن عبداللہ خدیجی اصغر، علی بن محمد بن ابی القاسم بندار عبداللہ بن احمد بن ابی عبداللہ برقی، علی بن موسیٰ بن جعفر کمیدانی، قاسم بن علاء

محمد بن اسمٰعیل نیشاپوری ملقب بہ "ندفر"، محمد بن جعفر رزاز (۳۱۰ھ)
محمد بن حسن صفار (۲۰۹ھ) محمد بن حسن طائی، محمد بن عقیل کلینی، محمد بن
علی بن معمر کوفی، محمد بن یحییٰ عطار وغیرہم۔

نامورانِ گمنام

بڑے لوگ جب گوشہ گیر ہو جاتے ہیں یا کسی ایک محدود جگہ و زمانے کی لپیٹ میں آجاتے ہیں تو گمنامی کا ہالہ انھیں گھیر لیتا ہے اور ان کی بزرگی و فضیلت و تمام دیگر خصائص و عظمت کو چھپا لیتا ہے۔ تمام شاگرد و طلاب اپنے اساتذہ کی تعریف و تمجید میں بس ایک ہی جملہ کہتے ہیں اور وہ یہ کہ "سبھی اچھے ہیں" "سبھی با فضیلت ہیں۔" "سبھی متقی ہیں" اور یہی لفظ "سبھی" اس کا باعث ہوتا ہے کہ ان کے بیشتر خیالات، نظریات و فضائل اسی صدی میں محدود ہو جاتے ہیں اور ان طلاب و شاگردوں کے قلم سے کوئی خاص نتیجہ بھی نہیں نکالا جا سکتا ہے کیونکہ اگر بہت سے ستارے، بہت سے آفتاب ایک جگہ اکٹھا ہو جائیں تو ان کی روشنی اس طرح ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتی ہے کہ انسان سوائے ایک پارہ نور کے اور کچھ نہیں دیکھ سکتا۔

چنانچہ جس زمانے میں کلینیؒ قم میں مشغول تحصیل تھے اس عہد کے طلبا کی اپنے استادوں کے بارے میں اسی طرح کی رائے تھی اس لئے اس عہد کے علماؔ تمام کے تمام گمنامی کے پردہ کے پیچھے زندگی بسر کرتے رہے پورے دعویٰ

سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ کلینی کے عہد سے زیادہ تشیع کا کوئی غنی دیر زمانہ نہ تھا اور نیز یہ بھی کہنے میں کوئی باک نہیں کہ تشیع کی پوری تاریخ کے کسی دور میں کلینی کے زمانے سے زیادہ گمنام و مظلوم و غریب علماء نہیں ہوئے تھی کہ اگر اہل علم و ادب کے سامنے ان میں سے کسی کا نام لیا جاتا ہے تو وہ تاریخ کے ان فرزانگان کے وجود سے ناواقفیت کا اظہار کرتے ہیں۔ اگرچہ تشیع کا آسمان ستاروں سے کبھی خالی نہ تھا اس لئے اگر زمانہ کا چرخہ اس طرح چلے کہ اس زمانے کا ہر باکمال دانشمند وجود میں آجائے تو تشیع کے زمانوں کے تمام آسمان ستاروں کی بارش کرنے لگیں آج اکثر و بیشتر استادان کلینی کا تاریخ تشیع میں صرف نام ہے اس کے سوا کچھ نہیں اور یہ مسلّم ہے کہ ان کے فرمودات سے زیادہ مقدار ناگفتہ و نایاب کلام کی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ کلینیؒ کی شخصیت سازی میں جملہ اساتذہ کا کردار اہم رہا ہے۔ لیکن ان سب میں ایک جری شخصیت ایسی ہے کہ ایک طرف اس سے کلینی کی شناخت ہوتی ہے تو دوسری جانب اس کی ذات بھی کلینی ہی سے پہچانی جاتی ہے کافی میں ایک ثلث سلسلۂ سند روایت انہی بزرگوار سے ہے جن کا نام کافی کی وجہ سے جاودانی ہو گیا ان کی زندگی و حالات کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ وہ ذات جس کی قبر صدیوں سے

ل افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سوائے دانشمند بزرگ استاد علی دوانی صاحب "مفاخر الاسلام" کے کسی نے اس عہد کی ان گمنام شخصیتوں کے احیاء کے لئے قدم نہیں اٹھایا۔ راقم الحروف نے ان ہی کی کتاب سے زیادہ تر استفادہ کیا ہے۔

حرم معصومہ قم کے نزدیک قبرستانِ شیخانِ قم میں اب بھی شیعوں کے لئے ذریعۂ توسل ہے ۔ ایسی بزرگ شخصیت جو بقول صاحب معجم الرجال "علی بن ابراھیم کی روایت احادیث کی اسناد سات ہزار ایک سو چالیس تک پہونچی ہے ۔" یہ وہ ہستی تھی جس نے امام حسن عسکریؑ کا زمانہ پایا تھا ۔ انہوں نے ایسی تفسیر لکھی جو دیگر شیعی تفاسیر کی بنیاد و سرمایہ بن گئی اس مرد دلیر نے اپنے بہت سے آثار چھوڑے تھے مگر افسوس کہ ان کی تفسیر کے علاوہ ہم تک اور کچھ نہیں پہونچا ۔

شائد اگر کلینی ان کے گرد پروانہ وار نہ گھومتے رہتے ، ان سے لمحہ بھر کیلئے خواہ بیماری یا تندرستی میں مکان یا مدرسہ میں جدا ہو جاتے یا ان سے غافل ہو جاتے تو وہ تمام روایات واحادیث جس کا سلسلہ سند ان پر تمام ہوتا ہے مثل ان کے دیگر آثار کے ہمیشہ کے لئے نابود ہو جاتیں اور دوسری حدیثوں کے درمیانی سلسلہ سند کے ٹوٹ جانے سے غم زدہ شیعوں کو ان کا بھی رنج و دکھ برداشت کرنا پڑتا ۔ کلینیؒ کا کمال وخصوصیت یہ ہے کہ جب تک حالات وکوائف نے اجازت دی انھوں نے حدیث کے اس سمندر کو ترک نہیں کیا وہ تشنۂ کلام اہل بیتؑ تھے اس لئے اسے گھونٹ گھونٹ پیتے رہتے ، پیتے رہے ۔ اور اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اپنے بعد اس دریائے کوثر عشق کو اس عہد کے شیعوں کے لئے رواں دواں حالت میں چھوڑ گئے ۔ اپنے استاد کی فضیلت کو ابتدائے باب "فضل علم" میں مدنظر رکھ کر کتابِ فضل علم کے آغاز میں اس کے نام کو جاوید بنا دیا ۔

باب فضل العلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱- علی بن ابراهیم اپنے باپ حسن بن ابی الحسن فارسی سے اور وہ عبدالرحمٰن بن زید سے اور وہ اپنے باپ اور وہ امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

طلب العلم فریضۃ علی کلّ مسلم الا ان اللہ یحب بغاۃ العلم -

ہر مسلمان پر علم کی جستجو واجب ہے آگاہ رہو کہ خدا طالبان علم کو دوست رکھتا ہے -

گمشدہ جواہرات

اگر مذہب تشیّع پر سوائے قیمتی آثار علمی کے چھن جانے کی مصیبت کے سوا اور کوئی افتاد نہ پڑتی تب بھی تشیّع کو حق تھا کہ وہ بطور مکتب مظلوم کے پہچانا جائے اور وہ اپنے غارت شدہ ثقافتی آثار و احادیث کے ماتم و غم میں اشکبار ہو۔ بزرگان تشیع جو مسلّمہ طور پر احادیث و روایات اہل بیتؑ میں سند تھے ان کی لکھی ہوئی ایسی کتابوں کا نام ہم فہرستِ کتب میں پاتے ہیں جن کی آج کے دور میں سخت ضرورت ہے کہ ان کے موضوعات وہی تھے جس میں ہمارا موجودہ معاشرہ گرفتار ہے اور اس زمانہ قدیم خصوصاً عصر کلینیؒ کی بہت سی کتابوں کی ایک حدیث، ایک کتاب عصر حاضر کے مراجع و فقیہوں کے فتویٰ میں مددگار ہوتی، سند کا کام دیتی مگر ہزار افسوس کہ تشیع کا ہاتھ وہاں تک نہ پہونچا نہ ہی پہونچ سکے گا۔ حوادث روزگار نے اس قدر تشیع کی مخالفت کی اور اس کے آثار و افکار کو مٹا دیا کہ آج کے محقق و اہل قلم اپنی کتاب و حدیث کی تلاش میں ملک کی سرحد کے پرے نکل جاتے ہیں، اس امید میں کہ شاید اپنے گذشتگان و بزرگوں کے

آثار قلمی کو کسی کتاب خانہ کے کونے میں یا میوزیم میں پا جائیں۔

اگرچہ آج صدہا شیعہ محقّقین و لکھنے والوں کا نشان و اثر باقی نہیں رہ گیا مگر دوسرے صدہا اہل قلم و تحقیق کے آثار میں ایک ایک چیز پھر بھی باقی رہ گئی ہے۔ ان میں حمیری (قرب الاسناد) و علی بن ابراہیم (تفسیر قرآن) کے باقی ماندہ آثار کے پہلو بہ پہلو ہم اس عہد کے ایک اور بزرگ شیعی دانشمند سے متعارف ہوتے ہیں جس کے دو سو سے زائد آثار میں سے صرف ایک کتاب باقی رہ گئی ہے وہ بھی کامل نہیں ہے۔

وہ ہیں عیاشی سمرقندی، جو کلینی و علی بن بابویہ قمی کے معاصر اور رجال کشی کے مرتب ابو عمر کشی کے استاد اور تشیّع کے بزرگ علما میں سے تھے۔ وہ پہلے مذہب اہل سنّت کے پیرو تھے۔ کثرت مطالعہ نے ان کو تشیّع کی حقانیت سے آگاہ کیا اور پھر ایک وقت آیا کہ انہوں نے تشیع کے مردان بزرگ کی صف میں جگہ بنالی۔

شیخ الطائفہ محمد بن حسن طوسی اپنی "رجال طوسی" میں ان کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔ "محمد بن مسعود بن محمد عیاشی سمرقندی الکنّی بہ ابوالنظر علما و دانشمندان مشرق (خراسان و ماوراء النّھر) کے درمیان علم و فضل و ادب، ذہانت، ذکاوت و بزرگواری میں اپنے تمام معاصر علماء سے بڑھ کر تھے۔ ان کی تصانیف دو سو سے زائد تھیں جسے ہم نے "فہرست" میں ذکر کیا ہے۔ خدا کی رحمت ہو ان پر کہ ان کی ایک مجلس خواص کے لئے اور ایک عوام کے لئے ہوتی تھی۔"

شاید وہ اپنے و بعد کے زمانے کے سخی ترین انسان اور نادر ترین شخصیت تھے انہوں نے اپنی پوری ہستی، اموال و اثاثہ سب کچھ دین خدا کی تبلیغ و ترویج میں صرف کر دیا تھا۔ ان کا مکان اسلامی دنیا کے شمالی مشرقی علاقے میں بطور مرکز بزرگ اسلامی و مجموعہ شہرت رکھتا تھا۔ محدث قمیؒ ان کی زندگی کی خصوصیات کے تعلق سے لکھتے ہیں " وہ وہی ہیں جنھوں نے اپنے باپ کا سارا ترکہ" جو تین لاکھ اشرفی تک پہونچتا تھا۔ سب کا سب علم و حدیث کی راہ میں خرچ کر دیا ان کا مکان مسجد کی طرح علماء، محدثین، قاری، کاتب سے پُر رہتا تھا ایک آدمی تصنیف کرتا تو دوسرا اس کی نقل کرتا اور تیسرا دونوں کا مقابلہ کرتا تو ایک اس پر حاشیہ و تعلیق لکھتا۔"

عیاشی نے بیسوں کتابیں جملہ ابواب فقہ، اخلاق و آداب زندگی پر لکھی ہیں اس کے علاوہ بقول خود سات کتابیں اہل تسنّن کی بنام" کتاب سیرت ابوبکر، کتاب سیرت عمر، کتاب سیرت عثمان کتاب سیرت معاویہ، کتاب معیار اخبار و کتاب موضع بھی لکھی تھیں۔" کتب فہرست رجال میں ان کے آثار کی تعداد کم وبیش ۲۰۰ سے ۲۱۷ تک پائی جاتی ہے مگر موجود ہے صرف تفسیر عیاشی کی دو جلد وہ بھی ناقص اور سورہ کہف تک . یہ ایسی تفسیر ہے جس کا شمار اولین تفاسیر قرآن میں ہوتا ہے اور جو آج کے مفسرین قرآن کے لئے ماخذ و منبع کا کام دیتی ہے۔

عیاشی کی زحمتوں اور ان کے تمام آثار کی یاد اور اس امید میں کہ

ایک روز بعض گراں بہا آثار شیعہ کی بازیافت ممکن ہو گی خصوصاً تفسیر عیاشی جیسی قیمتی تفسیر کا بقیہ۔ ہم یہاں پر نمونتاً اس تفسیر کی ایک روایت تمام عزیز جوانوں اور علمائے برحق کے ان ورثا اور ان کے سفر کو جاری رکھنے والے و کوشش و محنت کرنے والوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

علمِ امام بہ کتاب

یونس بن عبد الرحمٰن نے اصحاب کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آسمان و زمین اور اس میں جو ہے اور جو ہونے والا ہے ان تمام اخبار و احوال سے تمام لوگوں سے زیادہ واقف ہوں اور ایسا کہ تم کہو گے کہ سب کچھ میری مٹھی میں ہے۔ پھر فرمایا: یہ سب میں نے کتاب خدا (قرآن مجید) سے سیکھا ہے کیونکہ خدا فرماتا ہے: "فیہ تبیان کل شیٔ" یعنی قرآن مجید میں ہر چیز کا بیان ہے۔

ایک اور ہجرت

اگرچہ قم مرکز تشیع تھا اور کلام اہل بیتؑ کے ہر متلاشی کو یہاں سیراب کیا جاتا تھا مگر کلینی کی اس خاندان مقدس کے نورانی کلام و نقوش کی پیاس اور روایات و احادیث ناشنیدہ کی امید نے یہ شہر ترک کرنے پر آمادہ کر دیا اور ان کی ہجرت کا آغاز ہوا۔ انہوں نے قم کی تمام خوبیوں کے باوجود دیگر شہروں، قصبوں کا سفر شروع کر دیا، جہاں بھی ایسے محدث یا راوی حدیث سے ملاقات ہوئی جو اہل بیتؑ کی حدیثیں رکھتا ہو وہاں وہ رک جاتے، اس کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر دیتے اور ایک مدت تک اس سے استفادہ کر کے آگے بڑھ جاتے۔ کوفہ ایسے ہی شہروں میں سے ایک تھا جہاں کلینی ٹھہرے اس زمانے میں کوفہ کا شمار بھی بڑے علمی مراکز میں ہوتا تھا۔ بہت کم ایسے محدث و محقق ہونگے جنھوں نے کوفہ کا سفر نہ کیا ہو اور یہاں کے علما سے استفادہ نہ کیا ہو۔ در حقیقت کوفہ کا شمار اسلامی دنیا میں تبادلہ خیالات و آزادانہ تبلیغ مذہب کے پہلے شہر کے طور پر ہوتا تھا اس لئے وہاں پر مختلف مذاہب کے محدث و اسلامی مصنفین میں سے ہر شخص اپنی ایک مجلس درس و بحث تشکیل دیئے ہوئے تھا،

اور احادیث کی نقل میں مشغول تھا۔ ان میں شہرۂ آفاق بزرگ اور جملہ ممالک اسلامی کے نور نظر ابن عقدہ تھے جن کی وجہ سے علم حدیث کے بیشتر عشاق اس شہر کی طرف کھنچے ہوئے چلے آتے تھے۔ ابن عقدہ کا شمار اس عہد کے بزرگ حفاظ حدیث میں ہوتا تھا۔ ان کا حافظہ اس قدر قوی تھا کہ اس نے ان کو دنیا میں حافظہ کی آیات میں سے ایک آیت بنا دیا تھا۔ دیگر تینوں مذاہب کے قابل فخر فقہا و محدثین ان کے استاد بتائے جاتے ہیں اور بہت سے بزرگان مذہب نے ان کے علم سے فیض حاصل کیا اگرچہ وہ زیدی جارودی تھے لیکن ان کے زہد و پارسائی نے انہیں ایسا موثق و معتبر محدث بنایا تھا کہ تمام مذاہب ان سے نقل حدیث میں اطمینان و اعتماد رکھتے تھے اور ان سے حدیث لیتے تھے۔ بہت سی شیعہ احادیث کو یاد رکھنے میں ان کا حافظہ اتنا مضبوط تھا کہ دار قطنی نے ابن عقدہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں احادیث اہل بیتؑ و بنی ہاشم میں سے تین لاکھ احادیث کا علم رکھتا ہوں اس کو بیان کر سکتا ہوں اور ایک لاکھ احادیث تمام اسناد کے ساتھ حفظ کئے ہوئے ہوں۔ یہی سبب تھا کہ بہت سے شیعہ محدثین و طلاب، احادیث سے استفادہ کی غرض سے ان کی مجلس درس میں شریک ہوتے تھے۔ کلینی نے کافی میں چند احادیث نقل کی ہیں جس کا سلسلہ سند اس مرد بزرگ تک پہونچتا ہے۔ کلینی ہی نہیں بلکہ ہارون بن موسیٰ تلعکبری و محمد بن ابراہیم نعمانی جیسے ان کے شاگردوں نے بھی ابن عقدہ سے کافی استفادہ کیا۔ "غیبت نعمانی" ایک بیش قیمت کتاب ہے اس میں بیشتر احادیث کو کلینی کے شاگرد محمد بن ابراہیم نعمانی نے ابن عقدہ سے لیا ہے۔

ابن عقدہ نے بہت سی کتابیں لکھیں جس میں زیادہ تر تاریخ، حدیث واخبار سے متعلق ہیں ان کے اعلیٰ ترین آثار میں سے ایک "رجال ابن عقدہ" ہے اس کتاب میں ابن عقدہ نے امام صادق علیہ السلام کے شاگردوں کا نام لکھا ہے جن کی تعداد تقریباً چار ہزار تھی نیز امام صادق علیہ السلام سے بہت سی روایات کو بھی نقل کیا ہے۔ "رجال ابن عقدہ" کا وجود شیخ طوسی کے زمانے تک تھا لیکن افسوس کہ اس کے بعد اس قیمتی کتاب کا کچھ حال معلوم نہیں ہے اس کا انجام بھی اہل بیتؑ کی دیگر فرہنگی میراث جیسا ہوا۔

عقیدہ و سیاست کا محاذ

جس زمانے میں کلینی نے اپنے علمی سفر کا آغاز کیا تو تقریبًا تمام اسلامی ممالک میں امن و سکون تھا۔ راستے بے خطر تھے اس لئے بھی اسلامی فرقوں اور مذاہب کے پیرو حدیث کی جستجو میں ہر چہار طرف گھومتے پھرتے رہتے تھے۔

اس صدی کے علما کی زندگی، ان کے سفر کی تعداد پر گہری نظر ڈال کر عصر کلینی کے طرز حکومت کی بھی معلومات حاصل کی جا سکتی ہے اور یہ نکتہ بھی دریافت ہوتا ہے کہ ہر فرقہ و مذہب کے طلبہ و عالم اپنی مذہبی و فکری تقویت کی کوشش میں لگے رہتے تھے اور اس کے لئے انہوں نے خود کو راستے کی سختیوں اور لمبی مسافرت کا عادی بنالیا تھا۔ اگرچہ اس زمانے میں یہ تمام تگ و دو عام لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے اور اپنے مذہب و فرقہ کے پیرووں کی تعداد میں اضافہ کی خاطر تھی پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ جنگ کسی فرہنگ یا قدروں کا تصادم تھا کیونکہ ان میں سے ہر ایک تبلیغ و ترویج مذہب سے زیادہ احادیث کی جمع آوری میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اگرچہ اس کے پہلو بہ پہلو کشمکش و تشدد کا نشان بھی ملتا ہے مگر یہ کھینچ تان مقابلہ سرزمین اسلامی کے جنوبی و شمالی

حصوں ہی میں پایا جاتا تھا جو کبھی سیاسی کبھی مذہبی رنگ اختیار کر لیتا تھا۔ اطروش[1] نے طبرستان پر قبضہ کر لیا اور وہاں علوی حکومت کی بنیاد رکھی اسی طرح مصر و شمالی افریقہ میں فاطمیوں نے قدرت و اقتدار حاصل کر لیا اور اسمٰعیلی بھی ایران میں اپنے پیرودں میں اضافہ کر رہے تھے۔ اسماعیلیوں نے امام صادق علیہ السلام کے بڑے بیٹے اسمٰعیل کو امامت کا منصب دیا اور ان کے بعد ان کے بیٹے محمد کو امام مانا اور اپنے لئے صفحۂ تاریخ میں تشیع کے شعبوں میں افسانوی حیثیت محفوظ کر لی۔ اسی فرقہ کی ایک شاخ "قرامطہ" تھے۔ قرامطہ فرقہ اسماعلیہ سے نکلے اور شخص حمدان قرمط سے منسوب تھے۔ وہ "قص بہرام" نامی دیہات میں کھیتی و گلہ بانی کرتا تھا چونکہ بہت ذہین تھا اس لئے جلد ہی سردار بن گیا اور کوفہ کے اطراف میں اپنے داعیوں کو بھیجا۔ تیسری صدی ہجری کے اواخر میں حمدان قرمط کے طرفداروں نے اپنے پوشیدہ سردار صاحب الظہور جس کے رہنے کی جگہ نامعلوم تھی، کی سربراہی میں بحرین میں ایک حکومت کی بنیاد ڈالی جس کا مرکز الاحساء تھا۔

قرامطہ کے عقائد میں مسیحی، زردشتی، مانوی اور اسلامی

---

[1] امام ابو محمد اطروش دو بزرگ شیعہ ہستیوں سید مرتضیٰ و سید رضی کے نانا تھے جنھوں نے طبرستان و ایران کے شمالی حصہ میں اسلام کی توسیع و تشیعت کی تبلیغ کے لئے اس زمانے میں خروج کیا اور کامیاب ہوئے۔ عقیدہ تشیع میں ان کی تصنیفات ہیں۔ انہوں نے طبرستان کے شہر آمل میں ۳۰۴ ہجری میں ۹۷ سال کی عمر میں شہادت پائی۔

عقیدوں کو مخلوط کیا گیا تھا اور بعض موقعوں پر تو وہ شمشیر بکف ہو کر مسلمانوں کے مقدسات و عقائد کے خلاف یوں لڑے جس کے بارے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج کے وہابیوں نے اپنے بعض عقائد کو اسی فرقہ سے بطور ورثہ حاصل کیا ہے "قرامطہ" ان سب کو برا کہتے اور کافر شمار کرتے جو مزار، قبر و پتھر کی پرستش کرتے اور حجر الاسود کو چومتے تھے۔" انہوں نے حجر الاسود کو کعبہ سے نکال کر دو ٹکڑے کر دیا اور الاحساء لے گئے اور بیس سال بعد عباسی خلیفہ القائم بالمنصور کے وسیلے سے اسے مکہ کو واپس پلٹایا"۔ قرامطہ صرف ایمان کو سرمایۂ نجات جانتے تھے اور اس کے بعد خود کو تمام اخلاقی قیود سے آزاد خیال کرتے تھے وہ لوگ عوام پر عوامی حکومت کے حامی اور اموال کی غارتگری کے خلاف تھے۔

لیکن اپنے مخالفوں کے ساتھ آج کل کے وہابیوں جیسا ہی برتاؤ کرتے تھے "ذکرویہ" جو قرامطہ میں سے تھا حاجیوں کے کاروان پر حملہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس المناک واقعہ میں بیس ہزار لوگ مارے گئے۔

قرامطہ زیادہ تر اپنی کاروائیاں بین النہرین شام، خوزستان، بحرین یمن و عراق میں جاری رکھتے تھے اور اس کام میں وہ عرب کے بدوؤں سے مدد لیتے تھے اور کبھی کبھی حملہ کر کے کوفہ کو اپنے تصرف میں لے آتے تھے۔ جس زمانے میں قرامطہ اپنے دشمنوں کے ساتھ نہایت بے رحمی کا سلوک کر رہے تھے۔ شیخ کلینیؒ اپنی شیعی شجاعت کے ساتھ ان تمام حوادث سے بے پروا ہو کر ان کے افکار و عقائد پر تنقید کرتے رہتے تھے اور اس انحرافی حرکت

سے شیعوں کو آگاہ کرنے کے لئے انہوں نے امت بزرگ اسلامی کے لئے ایک کتاب بنام" الرد علی القرامطہ" لکھی اور اسے ہر خاص و عام تک پہونچایا۔

ثقۃ الاسلام

شہروں، دیہاتوں کے بیسوں اساتذہ و محدثین زمانہ سے کسبِ فیض کرنے کے بعد کلینیؒ بغداد پہونچے۔ اس مسافرت کی مدد تو ٹھیک معلوم نہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ انھوں نے اپنے علم و فضل کی جگہ جگہ ایسی بہترین نمائش کی اور عوام کے ذہن میں ایک حقیقی شیعہ کی ایسی دلکش تصویر بٹھادی تھی کہ جب وہ بغداد پہونچے تو گمنام نہیں بلکہ ایسے نیک نام شخص تھے کہ شیعہ ان پر فخر کرتے تو اہلِ سنّت تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے تھے۔ ان کا تقویٰ، علم و فضیلت تھوڑے ہی عرصہ میں اس کا باعث ہوا کہ مشکلات دینی میں شیعہ و سنی سب ان سے رجوع کرنے لگے اور انہی اسباب سے وہ "ثقۃ الاسلام" کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ خیال رہے کہ وہ پہلے شخص تھے جنھیں عہد اسلامی میں اس لقب سے مخصوص کیا گیا۔

سنی و شیعہ دونوں فرقوں میں کلینی کی عظمت و بزرگی اس قدر ہے کہ ابن اثیر نے پیغمبرؐ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "خدا ہر صدی کے آغاز میں ایک شخص کو پیدا کرتا ہے کہ وہ دین کو زندہ و نامور کرے پھر وہ اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "مذہب شیعہ کو زندہ کرنے و بزرگی دلانے

والوں میں پہلی صدی ہجری کے آغاز میں محمد بن علی باقر علیہ السلام (پانچویں امام) اور دوسری صدی کے ابتداء میں علی بن موسی الرضا علیہ السلام (آٹھویں امام)، اور تیسری صدی کے شروع میں ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی رازی تھے۔ بلا جھجک کہا جا سکتا ہے، کہ کلینی اپنے عہد کی نامور ترین و بالاترین قامت رکھنے والی شخصیت تھی۔ زمانہ بھی کون؟ وہ کہ جب محدثین و علمائے بزرگ کی کدو کاوش عروج پر تھی حتی کہ امام زمانؑ کے چار خاص نائبین کا زمانہ بھی اس میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ امام کے ان نوابین کی زندگی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان بزرگوں کی محدودیت و ممنوعیت کی وجہ سے غیبت صغریٰ میں بھی کلینی کے کندھوں پر تشیع کی فرہنگی و علمی ذمہ داری تھی اور ان چاروں فرزانۂ روزگار کی زندگی کی خصوصیات کے بارے میں جو دعویٰ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ حقیقتاً تو کلینی کا شمار ان میں نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن تاریخی شواہد اور ماحول کو دیکھتے ہوئے یہ ضرور محسوس کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ان نائبین کے اطراف و پہلو میں اپنی جگہ بنا کر اپنے پرخطر فرائض بہترین صورت میں انجام دیئے کیونکہ ان فرزانگان حضرت حجتؑ کی محدودیت و مجبوری کا عالم یہ تھا کہ محمد بن عثمان کا خادم دروازہ کے عقب سے پہلے شیعوں کا نام دریافت کرتا پھر اسے وہیں چھوڑ کر محمد بن عثمان سے اجازت لے کر گھر میں داخل ہونے دیتا تھا ایک نائب جناب حسین بن روح نے پانچ سال زندان میں گذارنے کے بعد مدتوں اپنی عمر پنہاں رہ کر گذاری۔

بنی عباس کے جاسوسوں نے مسئلہ غیبت امام زمانؑ کو حکومتی مسائل میں اس قدر اولویت دے رکھی تھی کہ کبھی کبھی وہ حضرت سے وابستہ لوگوں کو ڈھونڈھنے

کے لئے مختلف حیلہ و مکر سے کام لیتے تھے چنانچہ ہم شیخ کلینی کے زمانہ میں حکومت کی سختی اور حکومت بنی عباس کی جاسوسی کارروائیوں کی ایک داستان علامہ مجلسی نے بحار الانوار جلد ۱۳ میں درج کیا ہے اسے یہاں نقل کرتے ہیں:

"کلینی نے حسن بن علوی سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک دن روز حسنی کے "ندیموں" میں سے ایک شخص کسی دوسرے آدمی کے ساتھ ان کے پاس کھڑا تھا۔ اور وہ روز حسنی سے کہتا تھا: کہ وہ وہی ہیں جو اطراف واکناف سے ان کے لئے (یعنی امام زمان کے لئے) مال و دولت لاتے ہیں اور وہ اپنے وکلاء بھی رکھتے ہیں۔ پھر حضرت کے وکلاء جو گرد ونواح میں رہتے تھے ان کا نام بھی لیا۔"

جب وزیر عبید اللہ بن سلیمان کو یہ خبر ملی تو اس نے ان کی گرفتاری کا انتظام کیا اور خلیفہ (معتضد عباسی) نے کہا اسے ڈھونڈھو اور دیکھو کہ یہ آدمی (امام زمانہؑ) کہاں ہے کیونکہ یہ کام مشکل ہے (یعنی تمام وکلاء امام زمانؑ کی گرفتاری) عبید اللہ بن سلیمان نے کہا۔ اس کے وکلا کو میں پکڑتا ہوں خلیفہ نے کہا نہیں ایسا نہ کرو بلکہ چند معین افراد کو کچھ مال دو کہ وہ ان کے پاس لے جائیں جو بھی ان سے اس مال کو بطور وکیل کے لے گا اسے ہم دھر لیں گے۔ اسی اثنا میں امام زمانؑ کی طرف سے فرمان صادر ہو گیا کہ وکلاء میں سے کوئی بھی لوگوں سے کچھ قبول نہ کرے اور اس سے خود کو بچائے رکھے اور اپنے کو بالکل انجان

ظاہر کرے۔ اس کے بعد وزیر نے حضرت کے وکیل محمد بن احمد کے پاس ایک اجنبی کو بھیجا جس نے تنہائی میں کہا "کہ میں تھوڑا مال اپنے ساتھ لایا ہوں تاکہ تم اسے امام تک پہونچا۔

محمد نے کہا : تم نے غلط سمجھا۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ جاسوس اس سے محبت کی باتیں کرتا رہا۔ مگر محمد بن احمد نے کوئی توجہ نہ دی۔ اس طرح جتنے جاسوس وکلائے حضرت کے پاس بھیجے گئے وکلاء نے ان کے اموال کو قبول نہیں کیا۔ کیونکہ پہلے بھی (امام زمانؑ) کی طرف سے ان کو مطلع کر دیا گیا تھا۔

نسائی ہم عصر کلینی

اہل تسنن کے ایک بہترین محدث اور کتاب حدیث کے مدون ابوعبدالرحمن نسائی بھی کلینی کے معاصرین میں سے تھے۔ انہوں نے اہل سنت کی صحاح ستہ ، (صحیح احادیث کی چھ کتب) میں سے ایک بنام "سنن نسائی" اصول کافی کے زمانے ہی میں لکھی۔ وہ شہر نساء صوبہ خراسان میں پیدا ہوئے اور اپنے زمانے کے حافظ و محدث مشہور ہوئے چونکہ وہ بے حساب احادیث و آیات کے حافظ تھے اس لئے عام طور وہ حافظ نسائی کہلائے۔ نسائی اپنے دور کے مشائخ میں فقیہ ترین و اعلیٰ ترین زاہد و عابد تھے ایک دن روزہ رکھتے دوسرے دن افطار کرتے تھے۔ اخبار و احادیث صحیح و ضعیف و سقیم کے پہچاننے میں وہ اپنے عہد کے تمام علمی افراد پر فوقیت رکھتے تھے اور دوسروں کے لئے استفادہ کا مرجع بنے ہوئے تھے ان کو تشیع سے خاص رغبت تھی بلکہ آخر عمر میں اس مذہب کے بعض عقائد کو انہوں نے قبول بھی کر لیا تھا۔ لمبی مدت تک مصر میں نشر علوم کرتے تھے۔ بعد میں شام گئے اور کتاب "الخصائص فی فضل علی بن ابی طالب علیہ السلام" کی تالیف کی، جس کی وجہ سے وہاں کے لوگ طعنہ زن ہوئے

اور ان سے کہا کہ تم نے فضائل شیخین میں کیوں کتاب نہ لکھی ؟ تو جواب میں کہا کہ اس کا سبب علیؑ کی افضلیت ہے اور کچھ نہیں ۔

ایک روایت ہے کہ انہوں نے کہا ب میں یہ کہا کہ میں نے دمشق میں آکر بہت سے لوگوں کو آپ سے منحرف و مخالف دیکھا تو اس کتاب کی تالیف اس امید میں کی کہ یہ ان کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے ۔ لوگوں نے ان کو ملامت و تعقیب کے بعد مسجد سے باہر کر دیا اور بعض مورخین کے مطابق ان کو خوب مارا پیٹا اور دمشق سے نکال کر رملہ پہونچا دیا پھر مرض الموت کے وقت ان کی استدعا پر مکہ منتقل کر دیا اور وہ اس مقدس زمین پر صفا و مروہ کے درمیان دفن کئے گئے ۔

کہتے ہیں کہ دمشق میں ان سے فضائل معاویہ کی حدیثیں طلب کی گئیں انہوں نے جواب میں حضرت علیؑ کی فضیلت بتاتے ہوئے کہا کہ : کیا معاویہ راضی نہیں ہے کہ محض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت کی برکت سے عذاب اخروی سے نجات پا جائے اور اس کے بعد کسی حدیث کے نقل کی حاجت نہ ہو لیکن جب لوگوں کا اصرار بہت بڑھا تو کہا کہ : ما اعرف فضلاً الاّ لا اشبع اللہ بطنہ یعنی مجھے معاویہ کی فضیلتوں کا پتہ نہیں مگر یہ کہ رسالتمابؐ نے اس پر نفرین کی اور بد دعا دی کہ خدا تیرے شکم کو سیر نہ کرے (یعنی تو ہمیشہ بھوک و گرسنگی میں مبتلا رہے) نسائی کا مقصد حدیث نبوی کے اس جملہ سے یہ تھا کہ ایک روز آنحضرتؐ نے کسی خاص کام کے لئے اسے بلایا

اور اس نے دیر کی اور کھانے میں مشغولیت کا عذر کیا، ایسا تین بار ہوا تو حضرت رنجیدہ ہوئے اور یہ جملہ "لا اشبع اللہ بطنک" کہہ کر اس پر نفرین کی۔ بعض مورخین نے نسائی کی شہر سے اخراج کا سبب معاویہ کے بارے میں اسی حدیث کے بیان کو بتایا ہے۔

کلینی بغداد میں

کلینی کے لئے بغداد سرزمین تالیف تھی یعنی وہ جگہ جہاں وہ سالہا سال کی محنت ومشقت سے جمع کئے ہوئے مواد کو ایک کتاب کی صورت دیں۔ انھیں قوم شیعہ کی مشکلات وکمزوریوں کا بخوبی علم تھا۔ اس لئے انہوں نے احادیث کی تنظیم وتدوین کو نئی جہت عطا کی اس وقت تک شیعہ رسالوں اور کتب "اربعۃ مائۃ" سے استفادہ کرتے تھے اور تشیّع کی روایات واحادیث کا مجتمع وباترتیب ذخیرہ دل بستگان اہل بیت عؑ کے پاس نہ تھا۔

دوسری طرف احادیث کی تحریف یا ان کا اتلاف ایک ایسا مسئلہ تھا جو کلینیؒ کو رنجیدہ کیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ امام زمان عجؑ کے غائب ہونے اور حکومت کی سختی کے باعث آپ کے نوّابین خاص وعلمائے بزرگ تک تمام شیعوں کی پہونچ نہیں تھی اور یہ بھی کہ وہ ائمہ اہل بیتؑ کے نقطۂ نظر سے اخلاقی واسلامی اصول پر حاوی واطمینان بخش کتاب کی جگہ خالی دیکھتے تھے۔

وہ شیعہ مسلمان جو قم، ری، بغداد جیسے مراکز علمی تک اپنی دسترس رکھتے تھے یا ان شہروں کے آس پاس رہتے تھے، ان کو خاص پریشانی ومشکل نہیں

تھی لیکن دور دراز کے علاقوں میں بسنے والے خط و مراسلت ہی کے ذریعہ اپنی الجھن کو بیان کر سکتے تھے۔

بہت سی باتوں کا مشتبہ ہونا حتیٰ کہ کلینی جیسے بزرگوں کے پاس خطوط کا آنا اس بات کا محرک ہوا کہ ایسی کتاب مرتب کی جائے جو تشیع کی بنیاد و پایہ کی شناخت کرا سکے۔ شیخ کلینی نے اپنے زمانے کے ایک برادر دینی کے خط کے جواب کو کافی کے مقدمہ میں نقل کیا ہے۔ اس میں عصر کلینی کی کیفیت اور ماحول کی شکایت بہت واضح طور پر ظاہر کی گئی ہے۔ فرماتے ہیں:

"بھائی میں آپ کی شکایت سے مطلع ہوا جیسا کہ آپ نے لکھا ہے لوگوں نے باہم ساز باز کر رکھی ہے اور جہالت کو بڑھانے کے لئے آپس میں ہاتھ ملا لیا ہے۔ اس طرح کہ قریب ہے کہ ان سے دانش و علم بالکل رخصت ہو جائے اور صرف اس کا نام و نشان ہی رہ جائے جب کہ یہ لوگ جہل پر بھروسہ کر کے دانش و دانشمندوں کو تباہ کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

تم نے پوچھا ہے کہ کیا یہ لوگ نادانی میں گرفتار ہیں اور دین میں گمان سے کام لے کر اپنے دل کو خوش کر لیتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ وہ بظاہر اسلام کے گرویدہ ہیں لیکن اس کے قوانین کو بطور عادت و من پسندی و باپ دادا کی تقلید میں مانا ہے۔ اس لئے اہم و غیر اہم باتوں میں اپنی عقل پر ہی اعتماد

کرتے ہیں۔"

ثقۃ الاسلام کلینیؒ ہی نہیں بلکہ دیگر علما بھی اپنے معاشرہ کے ایک دوسرے درد سے مضطرب تھے وہ خط کے جواب کی شکل میں نسل آیندہ کے ہاتھ میں ایک عظیم تحفہ دینے کی بات کرتے ہیں:

"تم نے یاد دلایا ہے کہ تمہارے لئے اختلاف روایات واردہ کی وجہ سے مطلب کا سمجھنا مشکل ہوگیا ہے اور اس کا مفہوم و حقیقت نہیں سمجھتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ روایت کا اختلاف اس کے علل و اسباب سے مربوط و متعلق ہوتا ہے اور ایسے با اعتماد عالم تک جو اس میں دخل و مہارت رکھتا ہو تمہاری رسائی نہیں تاکہ اس سے مذاکرہ و گفتگو کرو اور تم نے کہا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس ایسی کتاب ہو جس میں تمام دینی مسائل اپنی تمام اقسام و نوعیت کے ساتھ ہوں جس کا مطالعہ طالب علم کو بے نیاز کردے اور وہ خود ہدایت کے طلبگاروں کا مرجع ہو جائے۔ اور جو کبھی سچے اماموں اور ثابت سنّتوں کی پیروی کرنا یا اخبار و احادیث اور علم دین پر عمل کرنا چاہے وہ اس کتاب کو اٹھالے اور واجبات خدا و سنّت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کتاب کے مطابق انجام دے اور تم نے کہا ہے کہ اگر ایسی کتاب ہو تو

امید ہے کہ خداوند تعالیٰ اس کے وسیلے سے ہمارے ہم مذہبوں
ویاوروں کی اپنی توفیقات ومدد سے اصلاح کرے گا اوران کی
ہدایت کرے گا۔"

دوسری جانب کلینی کو یہ بھی یقین تھا کہ ان کے عہد میں انحراف، التقاط،
فرقہ گمراہ کی پیدائش وغیرہ کا اصل سبب یہ تھا کہ لوگوں نے کلام اہل بیتؑ سے جدائی
اختیار کر لی تھی وہ اپنے ایک دوست کے خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

" جو شخص علم کی رو سے داخل ایمان ہوتا ہے، ثابت وقائم رہتا ہے
اور اس کا ایمان اسے فائدہ بھی دیتا ہے جو بغیر علم داخل ہوتا ہے
تو جس طرح داخل ہوا اسی طرح خارج از ایمان بھی ہوجاتا ہے
نیز فرمایا کہ جو شخص اپنے دین کو کتاب خدا وسنّت پیغمبرؐ سے
لیتا ہے، پہاڑ سے زیادہ اٹل رہتا ہے اور جو شخص دین کو لوگوں
کی زبان و دہن سے لیتا ہے تو وہی لوگ اسے دین سے برگشتہ
کر دیتے ہیں۔ آگے فرمایا: جو امامت کو قرآن سے نہیں سمجھتا
وہ فتنوں سے باہر نہیں نکل پاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے زمانے
کے لوگ ایسے باطل و بُرے مذاہب کے پیرو ہیں جن کو کفر و
شرک کے جملہ شرائط نے چھلنی بنا دیا ہے۔

شیخ کلینی نے اپنے زمانے کو پہچان کر اور اس کے تقاضوں کو دیکھ کر
تشیّع کی تاریخ کو آنے والی نسل تک پہونچانے کی کوشش کی ایسے شخص کی طرح

جو خدا کے علاوہ کسی سے کوئی امید نہ رکھتا ہو، قلم ہاتھ میں لیتا ہے اور احیائے احادیث تشیع کے مقصد سے لکھی جانے والی کتاب کی ابتدا میں خدائے یکتا کی تعریف میں یوں خامہ فرسا ہوتا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"تعریف اللہ کی اس کی نعمات کی وجہ سے اور پرستش اس کی قدرت کے باعث، وہ جو اپنی سلطنت کا فرمانروا ہے اور اس کی شوکت وجاہ سے کائنات و مخلوقات خائف رہتے ہیں۔ اسے جو پسند ہے ساری مخلوق پر اس کا بجالانا ضروری ہے۔ وہ بلند ہے اور بہت بلند پھر بھی نزدیک ہے اور اس بلند مرتبہ کے باوجود دیکھنے میں نہیں آتا ہے بے آغاز و بے انتہا ہے اس کے آستانے پر آنکھ والے نابینا ہیں اور کوئی تعریف اس کے مقام تک رسائی نہیں حاصل کر سکتی۔ بغیر کسی مانع و پردہ کے پنہاں ہے۔ نادیدہ تو ہے مگر شناخت رکھتا ہے، بے شکل ہے مگر اس کی توصیف ہوتی ہے۔ جسم نہیں رکھتا ہے مگر اس کا تعارف کیا جاتا ہے۔ خدائے بزرگ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کی حقیقت تک پہونچنے میں فکر حیران ہے اور عقل اس کے ادراک سے سرگرداں۔ تیز رفتار خیال اس تک نہیں پہونچتا اور روشن آنکھ اس کا درک نہیں کر سکتی۔ وہ خود سننے والا، عقل والا ہے۔"

بیس ۲۰ سال کی محنت

ایک ایسی کتاب کی تدوین وتالیف کے لئے جو آج بیسویں صدی میں بھی تازہ ترین خوب ترین ونایاب ترین کلام کو ادبیات واخلاق وآداب زندگی وفلسفہ جہانی کے میدان میں پیش کرتی ہے، بیس سال کی مدت طولانی نہیں ہے۔ مگر کلینیؒ جس نے سال ہا سال شہروں ودیہاتوں کی پیمائش کی، راتیں مطالعہ وتحقیق یا اساتذہ کی خدمت میں استفادہ کی نذر کر کے نیند کو اپنے لئے حرام کر لیا ہو اور جوانی کی تاب وتوان کو اسی مقصد میں ضم کر دیا ہو، ظاہر ہے ایسے جفاکش وسرفروش انسان کے لئے اب آگے محنت کا زمانہ ختم ہو چکا تھا اور استراحت وآرام کے دن آپہونچے تھے۔

ٹھیک ہے مگر ان کی حیثیت ایسے باغبان پیر کی تھی جس کی جوانی کا حاصل بارآور ہو چکا ہو اس لئے ان کے یہاں تھک کر بیٹھ رہنے کے کوئی معنی نہیں تھے۔ اگر وہ اپنی اس زندگی کے پھل کو چننے میں جس میں سراسر بہشت کی بو، بسی ہوئی تھی، ایک لحظہ بھی غفلت برتتے تو یہ ہوتا کہ شیخ کے عمر کی فصل خزاں ان کے دامن فکر کے باغ میں دانۂ نیستی بکھیر دیتی یعنی ان کا کیا

دھرا برباد ہو جاتا۔ چنانچہ حقیقت ہے کہ اس عمر میں کلینی کے محنت و کوشش بہ نسبت دیگر علما کے دو چند ہو گئی تھی۔

انہوں نے بیس سال کی سخت کوشش و محنت کے بعد ایک مجموعہ تیار کیا جسے "الکافی" کے نام سے شہرت ملی جو اصول کافی، فروع کافی اور روضۃ کافی پر مشتمل ہے جس میں مجموعاً سولہ ہزار ایک سو ننانوے ۱۶,۱۹۹ حدیث و روایت رسول خداؐ و ائمہ طاہرینؑ موجود ہے۔

واضح ہو کہ کافی کی احادیث کی تعداد صحاح ستہ اہل سنت کے تمام مجموعۂ احادیث سے زائد ہے کیونکہ کافی کی احادیث کی تعداد ۱۶۱۹۹ ہے جبکہ صحیح بخاری میں مکررات کیساتھ ۷۲۷۵ حدیثیں ہیں اور کہا جاتا ہے کہ مکررات کے حذف کے بعد ۴۰۰۰ حدیثیں رہ جاتی ہیں اور ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کی احادیث کی مجموعی تعداد ۷۰۰۰ سے کم ہے۔

کلینی نے تن تنہا اس مجموعہ کو مرتب کر کے علماء تشیع کے فضل و برتری کو اپنے عہد تک ہی نہیں بلکہ پوری تاریخ اسلام میں ثابت کر دیا۔ انہوں نے جو کام تشیع کے لئے بیس سال میں کیا اسے چھ بزرگ علمائے اہل تسنن نے اپنے مذہب کے لئے تقریباً سو سال میں انجام دیا۔

اس مجموعہ احادیث میں کتاب کافی (اصول و فروع) سب سے عمدہ و نفیس کتاب ہے اس کی خوبی یہ ہے کہ وہ مذہب شیعہ کی چار اہم ترین کتب احادیث میں پہلے نمبر پر آتی ہے۔ کافی کے علاوہ تین اور بڑی کتابیں

ہیں، شیخ صدوق کی "من لا یحضرہ الفقیہ" اور شیخ طوسی کی "استبصار" و "تہذیب" یہ سب مل کر کتب اربعہ شیعہ کی تشکیل کرتی ہیں۔ مگر ان سب کے درمیان "کافی" سخن اول و کتاب اول ہے اس طرح کہ کوئی فقیہ اس دریائے نور کو پار کئے بغیر اجتہاد کی بلند چوٹی تک نہیں پہونچ سکتا۔ کافی میں ہر سوال کا جواب ہے اور ہر خود غرض و شیطان صفت انسان کے بے بنیاد و بے پایہ اعتراضات کے مقابلے میں ہماری حقانیت کی سند موجود ہے خصوصاً جو لوگ ہم کو ہمارے مسلک و مکتب کو علم و ترقی کا مخالف بتاتے ہیں ان کے لئے مسکت دلیل ہے۔

تشیع، کلینی و کافی کی عظمت کے ثبوت کے لئے اتنا ہی بس ہے کہ جس زمانے میں یورپ میں وحشت و بربریت کا دور دورہ تھا اور ان کے قبائل کا ذریعۂ معاش قتل و غارت کے سوا اور کچھ نہ تھا اور وہ ہنوز شعور انسانی سے عاری تھے حتیٰ کہ عقل و علم کو قرون وسطیٰ کے مذہبی عقائد کی عدالت میں لے جاتے اور اس پر منفی حکم نافذ کرتے تھے۔ ایسے حالات میں تشیع کی پہلی کتاب کا پہلا باب "عقل" پھر "فضل علم" اس کے بعد "توحید" و "حجت" قرار دیا جاتا ہے اور وحدانیت الٰہی و ولایت سے پہلے عقل و علم کی بات کی جاتی ہے۔

کافی کی قدر و منزلت و عظمت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ تب سے اب تک اپنے علم کو مستند و نظریات کو بلند کرنے کے لئے ارباب علم و فضل نے اسی چشمۂ اہل بیت سے توسل کیا ہے۔ ہر محقق و مصنف نے اپنے مذاق و مشرب کے مطابق اس کی شرح لکھی ہے۔ کافی کی شرح فلاسفہ نے بھی لکھی و عارف و

فقیہ نے بھی اسی سے کافی کی جامعیت و بزرگی ثابت ہوتی ہے۔ کافی کی دیگر تمام شروح و توضیح مطالب کی کتابوں میں درج ذیل چار کتابوں کو امتیاز و شہرت حاصل ہے۔

۱۔ مرآت العقول از علامہ مجلسی جنھوں نے محدثین و فقہا کے افکار کو نظر میں رکھ کر بحث کا آغاز کیا ہے۔

۲۔ شرح صدر المتألہین معروف بہ ملا صدرا، جن کی شرح احادیث فلسفی و عرفانی ہے مگر افسوس کہ وہ مکمل نہیں ہے۔

۳۔ کتاب وافی، نوشتہ ملا محسن فیض کاشانی رح۔

۴۔ شرح ملا صالح مازندرانی متوفی ۱۰۸۰ھ

کلینیؒ مسندِ تدریس پر

ہر چند کہ کلینیؒ تحقیق و تصنیف کے جادہ پر محو خرام تھے مگر ایک لمحہ کیلئے بھی اپنے ان شاگردوں سے بے پروا نہ رہے جو بغداد میں ان سے تحصیل علم کی خاطر جمع ہوئے تھے ۔ وہ اپنے شاگردوں کو جان سے زیادہ پیار کرتے تھے اور اُن کو آگے بڑھانے میں کوشش بلیغ کرتے تھے ۔

تشیع کے اس مرد شجاع کی با افتخار و عظمت حیات کے ایک ایک لحظ کا موازنہ دنیا کی کسی قیمتی سے قیمتی شے سے نہیں کیا جا سکتا ۔ علم حدیث کی آخری چوٹی پر متمکن اس عظیم شخصیت کے حضور میں آکر بہت سے نامور بزرگوں کو نقل روایت کی توفیق حاصل ہوئی ۔ ان میں سے چند کا نام یہاں لیا جاتا ہے ۔ جیسے :

" احمد بن ابراہیم معروف بہ ابن رافع حمیری ، احمد بن محمد بن علی کوفی ، ابو غالب احمد بن رازی ، عبد الکریم بن عبد اللہ بن نصر بزاز تینسی ، علی بن موسیٰ دقاق ، محمد بن احمد سنائی زاہری مقیم ری ، ابو الفضل محمد بن عبد اللہ بن مطلب شیبانی ، محمد بن علی ماجیلویہ ، محمد بن محمد عصام کلینی ۔ "

ایک بات یہ بھی دیکھنے میں آئی کہ بعض شاگردوں کے شوق و ذوق حدیث میں والہانہ و فور اس کا باعث بنا کہ وہ کلینیؒ کے قریبی دوست بن گئے اور ایسے کہ باہم کوئی امتیاز ہی نہیں رہ گیا۔ چنانچہ ان میں کے بعض کلینیؒ کے پہلو میں جگہ بنا کر خلوص و مہر و وفا کی فضا میں احادیث نویسی و معارف اسلامی کے حصول میں مدتوں مشغول رہے۔ ان میں سے ایک پروانۂ شمع کلینی" محمد بن احمد صفوانی" تھے، جو کلینیؒ کے شاگرد رشید تھے جنہوں نے کتاب کافی کی نقل بنائی اور کلینی سے علم و ادب سیکھ کر قرائت حدیث کا اجازہ بھی حاصل کر لیا۔

"کافی" کی تدوین و تحریر کے زمانے میں کلینی کے شاگردوں میں سے ایک جو بڑی احتیاط سے "کافی" اور کلام استاد کے قدم بقدم چلتا رہا یہاں تک نورِ اہلبیتؑ، کی سرحد تک جا پہونچا اس گرامی قدر شخصیت کا نام محمد بن ابراھیم نعمانی معروف بہ ابن ابی زینب تھا۔

"نعمانی" اپنے استاد سے اتنی خصوصی قربت رکھتے تھے کہ کلینیؒ کے کاتب کہے جاتے تھے اور عام طور پر ان کی شہرت کاتب نعمانی" کے نام سے تھی۔ انہوں نے کتاب مستطاب کافی کا ایک نسخہ نقل کیا تھا، اسے نسخۂ نعمانی کہا جاتا ہے۔

مکتب کلینی کے تربیت یافتہ نعمانی کا شمار تشیّع کے علمائے کبار میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے استاد کی وفات اور امام زمانہ عج کی غیبت صغریٰ کے خاتمہ کے تیرہ سال بعد کتاب "غیبت نعمانی" لکھی جو زمانۂ غیبت سے

نزدیک ترین کتاب مانی جاتی ہے اور وہ بقیۃ اللہ عج امام زمان سے متعلق احادیث و روایات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب کلینی کے اس شاگرد کی شدید محنت اور اس عالم کبیر کی احیاء حدیث تشیّع میں انتھک کوشش کا سراغ دیتی ہے۔

کلینیؒ کے نامور شاگردوں میں شیخ مفید جیسے عظیم الشان عالم واستاد اور "کامل الزیارات" کے مؤلف جعفر بن محمد بن قولویہ قمی تھے۔ اس محدث و مؤلف بزرگ کے حلقہ بگوشوں و شاگردوں میں ایک نام ہارون بن موسیٰ تلعکبری بھی ہے۔ ہارون بن موسیٰ نے بہت سے بزرگ علماء و اساتذہ سے کسب فیض کیا بغداد کے پاس "تل عکبرا" ہے۔ یہ وہیں کے باشندے اور شیخ مفید کے ہم وطن و استاد بھی تھے۔ بعض محققین کے مطابق آپ نے ۱۰۴ مرد اور ایک عورت سے روایت نقل کی ہے۔ شاگردان کلینی صرف کلینی کی محنت کا ثمرہ اور ان کی کوشش کا حاصل نہیں مانے جاتے بلکہ ان کا شمار آنے والی نسل میں خدائی افکار کو منتقل کرنے والوں میں ہوتا ہے۔

بزرگ شاگردوں، بزرگ اساتذہ اور عظیم آثار نے کلینی کو اپنے عہد کے بزرگوں کے قلۂ کوہ پر بٹھایا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کلینی کی عظمت کی سمائی الفاظ میں نہیں ہے۔ کلینی آفتاب جیسے ہیں جسے دیکھنے کی تاب کسی میں نہیں۔ ان کے نور کو صدہا چاند ستاروں میں دیکھنا چاہیئے جنھوں نے ان سے نور حاصل کیا اور کر رہے ہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حدیث کا یہ آفتاب ہماری زندگی کو قیامت تک گرمی و روشنی بخشتا رہے گا اور فکر و نظر کے آفاق کو منوّر کرتا رہے گا۔

کلینی کا (سبک) اسلوب

"کافی" کی تدوین میں جدت پسندی کلینی کی خلاقیت و ذوق لطیف کی نشانی ہے۔ کلینی نے کافی کی تنظیم و تالیف میں جو روش اختیار کی ہے وہ آیندہ نسل و علمائے بزرگ کے لئے بہترین میراث ہے۔ اگرچہ ان کے پہلے شیعہ محدثین و بزرگان کے توسط سے رسالے و کتب کی تحریر عمل میں آئی اور وہ لوگ ایک حد تک احادیث کو ابواب میں تقسیم کر کے اس کا مطالعہ کرتے تھے لیکن نقل حدیث میں کلینی کی روش و شیوہ نے انھیں دوسروں کے انداز سے متمائز کر دیا۔

احادیث کے ایک ایک باب کی ترتیب میں کلینی کا طریقہ یہ تھا کہ درست و واضح تر حدیث کو شروع میں جگہ دیتے پھر علی الترتیب مبہم و مجمل احادیث کا ذکر کرتے تھے۔

کلینی اس کا التزام رکھتے تھے کہ کتاب کافی میں کچھ کو چھوڑ کر بقیہ تمام احادیث کا سلسلۂ سند معصوم امام تک پہونچ جائے۔ کبھی کبھی وہ ابتدائے سند کو حذف بھی کر دیتے تھے۔

اس طرز کے علاوہ کلینی کی دوسری جدت عنوان سے پہلے علماء د

ومحدثین میں رائج نہ تھی وہ تھی سلسلۂ سند جو راوئ حدیث پر ختم ہوتی تھی مگر اس کے بدلے انہوں نے لفظ "عِدہ" سے کام لیا ہے۔

کلینی نے نقل حدیث میں اس رویہ کو کیوں اپنایا، اس کا سبب نقل حدیث میں ان کا مشہور ہونا، وقت کی کمی اور کتاب "کافی" کے حجم کو کم کرنا اور خلاصہ کرنا بھی تھا۔

کلینی کا "عدہ" کبھی احمد بن محمد بن عیسٰی سے کبھی سہل بن زیاد سے اور کسی وقت احمد بن محمد خالد برقی سے روایت کرتا ہے۔ ان تینوں اشخاص کے علاوہ جو "عُدہ" ہوتا ہے وہ ان سے دیگر ہوتا ہے۔ مثلاً وہ "عُدہ" کے واسطے سے احمد بن محمد بن عیسٰی سے روایت کرتے ہیں۔ اس عدہ (چند لوگ) سے مراد پانچ آدمی محمد بن یحییٰ عطار، علی بن موسٰی کمیدانی، داود بن کورہ، احمد بن ادریس، علی بن ابراہیم بن ہاشم ہوتے ہیں۔ کلینی ان دانشمندوں کے نام حذف کر کے صرف "عدہ من اصحابنا احمد بن محمد بن عیسٰی" لکھ دیتے ہیں۔

نقل حدیث میں اس کلمہ (عدہ) سے کام لے کر بڑے بڑے محدثین کا نام حذف کرنا تمام علما و محدثین میں عام ہو گیا جیسے کہ "شیخ طوسی نے اپنی کتاب "الفہرست" میں اور نجاشی نے اپنی کتاب "رجال" میں کلینی کے اسی رویہ کو اپنایا ہے اور "عدہ" کے واسطہ سے روایت کی ہے۔

لفظ "عدہ" سے کام لینے کے علاوہ کبھی کلینی راوی و محدث کا نام لئے بغیر چند تعبیرات جیسے قَدْ قَالَ الْعَالِمُ یا فی حدیث آخر اور اسی طرح

کے جملوں پر اکتفا کرتے ہیں یہی جملے باعث ہوئے کہ ہمارے بعد کے علما اس کی تفسیر و تحلیل کریں۔ بعض علما کو تو صرف ان جملوں نے ہی قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے کلینی کے امام زمانہ عج سے ربط و ضبط کی دلیل مان لیا، مثلاً" علمائے شیعہ میں سے ایک زاہد و مقدس ترین ہستی ملا محمد تقی مجلسیؒ۔ علامہ مجلسیؒ نے کافی کی فارسی شرح کی تو اس میں لکھا:

"ممکن ہے کہ کتاب کافی میں ہر وہ حدیث جو قد قال العالم (عالم نے کہا) یا فی حدیث آخر (دوسری حدیث میں ہے) اور ایسے دوسرے جملے حقیقتاً حضرت صاحب الزمان عج سے متعلق ہوں۔ ان بزرگواروں نے اپنے کسی نائب خاص کے توسط سے روایت کی ہو۔"

مجلسی اول آگے لکھتے ہیں کہ:

"ممکن ہے کہ یہ کتاب (کافی) آنحضرتؑ کی اصلاحی نظر سے گذری ہو۔"

جس بات نے ہمارے علمار کو ابھارا کہ وہ قلم کو کلینیؒ وامام زمانؑ کے ارتباط کی وادی میں لے جائیں اور اس کی طرف لفظ شاید و ممکن کی احتیاط سے اشارہ کریں وہ یہ تھی کہ درحقیقت غیبت صغریٰ کے دور میں کلینی پر شیعہ عقائد و تہذیب کے نشر و تبلیغ کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ الحاد وانحراف و التقاط سے مقابلہ بھی مقدر تھا ان کا شمار اپنے عہد کی نامور

ترین شخصیت میں ہوتا تھا۔ ایسا ہوتے ہوئے عقل کیسے مان سکتی ہے کہ اس زمانے میں امام زمانہ عجؑ نے ایسی بزرگ ترین شخصیت جو ان کے (نواب خاص) سے نامور تر تھی تشیع کے اعلیٰ ترین سرمایہ کو قلم بند کرے اور امام اس کے بارے میں کچھ نہ فرمائیں یا ان کے ساتھ کوئی ربط برقرار نہ کیا ہو۔ "شرح تہذیب" سید نعمت اللہ جزائری سے نقل ہے کہ کلینی کے بعض معاصرین نے اس سبب سے کہ کتاب کافی "امام زمانہ عجؑ کی نظر سے گذر چکی تھی، کہا ہے کہ غیبت صغریٰ کے زمانے میں آن حضرتؑ کے عالی مقام سفرا اکثر اوقات حضور یابی کا حق رکھتے تھے اور وہ ناحیہ مقدسہ سے (امامؑ کی طرف سے) صادر تحریروں کو شیعوں تک پہونچاتے رہتے تھے اس لئے یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا" تاکہ "شیخ کلینی ایسی عظیم مدرک و مرجع و استنباط دینی والی کتاب کی تالیف کریں اور اس تمام مواد کو فراہم کرنے کے بعد ناحیہ مقدسہ تک نہ پہونچائیں کہ اس میں درج احادیث کا اعتبار محفوظ رہے اور اسکی صحیح احادیث کو ضعیف سے مشخص کیا جا سکے۔

بزرگوں کے بیانات سے جو سمجھا جا سکتا ہے یا اس عہد کی تاریخ ہمیں جو بتاتی ہے یا وہ احادیث جنھیں یہ مرد عظیم مبہم بیان کے ساتھ روایت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ تحلیل و تفسیر ہمیں اس نقطہ تک پہونچا دیتی ہے جہاں آدمی کو یقین ہو جاتا ہے کہ کلینی کا گھر اس زمانے میں پانچواں مکان تھا جہاں حضرت امام زمانہ عجؑ نے قدم رکھا (چار نواب اور پانچویں کلینی) اور اس پانچویں آدمی کی زبان سے بقیۃ اللہ سے نقل شدہ روایات سنی جا سکتی ہیں۔

لیکن ان دونوں کے ارتباط کا پس پردہ رہنا دوسری بات ہے۔ یہ سخن حریم و حرم ہے۔ ہماری عقل خاکی ان اسرار کو سمجھنے کی طاقت نہیں رکھتی مگر اس راہ میں جو کچھ زبان سے زبان اور نسلاً بعد نسلٍ ہمارے علما کے قلم سے ہم تک پہونچا ہے وہ امام زمان سے منسوب جملہ ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

الکافی کافٍ لِشیعَتِنا

"کافی" ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے۔"

خلاصۂ عصرِ خود

احادیث و روایات سے غلط مطلب نکالنے کے چلن کا کلینیؒ[1] کو بخوبی علم تھا، اس زمانے میں بھی جب کہ ایسے لوگ موجود تھے جو براہ راست ائمہ ِ طاہرینؑ سے حدیث نقل کرتے تھے، ایسا ہوتا تھا اور یہی طریقہ موجب ہوا کہ مختلف فرقے و مذاہب اپنے عقائد کی ترویج و تائید میں بعض احادیث کو بنیاد بنائیں، انہی میں سے ایک فرقہ اہل تصوّف کا تھا جس کے بارے میں بلاخوف و تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں اس نے اسلام کے پیکر میں گھن لگایا جو ہمیشہ کے لئے باقی رہ گیا اور جو لوگ بھی ترک دنیا طلبی کی تبلیغ کرتے ہیں ان کے لئے صوفیت ایک دوکان بن گئی ہے۔ اسی لئے کلینی نے اپنی

---

[1] عصر کلینی کو ہم صوفی تحریک کے عروج کا زمانہ کہہ سکتے ہیں عصر کلینی عصر معروف کرخی، ذالنون مصری، عمر بن عثمان ملی۔ استاد منصور حلاج، جنید بغدادی، ابوبکر کنانی اور بہت سے مشائخ صوفیہ کا عہد تھا ان کے شاگرد ملکوں ملکوں صوفیگری کی تبلیغ کرتے تھے اس کا نتیجہ ہی تھا کہ مقتدر عباسی کے وزیر حامد جیسے آدمی نے منصور کو سولی پر چڑھانے کا حکم دیا۔ خاتون آبادی نے کتاب وقائع السنین و الاعوام میں منصور کو پھانسی دئیے جانے کا سن ۳۰۸ ھجری بتایا گیا ہے۔

کتاب کی ابتدا میں پڑھنے والوں کے لئے احادیث کی قبولیت و پذیرائی کی روش کو مختصر طور سے تحریر کر دیا ہے تاکہ نہ صرف استفادہ کنندگان خطا و غلطی سے محفوظ رہیں بلکہ ان بہانہ جویوں کی راہ بھی بند کر دی جائے جو مجموعہ احادیث کی شناخت کے بغیر ایک حدیث کو لے کر یا تو حکم تکفیر صادر کر دیتے ہیں یا دوسروں پر شیعیت کی تضعیف و کمزور کرنے کا الزام منڈھ دیتے ہیں ورنہ التقاط کی وادی میں پہونچ جانے کی تہمت لگا دیتے ہیں۔

انہوں نے مقدمۂ کافی میں لکھا ہے:

۱۔ روایات کو قرآن پر تو لو جو قرآن کے مطابق ہو اسے لے لو اور جو مخالف قرآن ہو اسے رد کر دو۔

۲۔ جو روایتیں عامہ مسلمین کے قول کے مطابق ہیں اسے ترک کر دو کہ ہدایت ان کی مخالفت میں ہے۔

۳۔ جن روایات پر اتفاق ہے اسے لے لو کیونکہ متفق علیہ میں تردید کا کوئی سوال نہیں۔

کلینی نے کافی کو مکمل کرنے کے بعد اس کا ایک نسخہ[۱] اپنے کسی دینی برادر

---

[۱] افسوس یہ ہے کہ شیخ کلینی نے جس طرح اپنی بابرکت زندگی میں اپنے کسی خویش کا نام نہیں لیا ہے اسی طرح مقدمہ اصول کافی میں بھی نام نہیں لیا ہے مگر جو مسائل خط میں چھیڑے گئے ہیں اسی طرح شیخ کلینی کے لحن و انداز سے یہ لگتا ہے کہ ان کا مکتوب الیہ تشیع کے صف اول کے علما میں سے ان کا ہمیشہ کا دوست رہا ہوگا۔

کے پاس بھیجا اور اس کے ساتھ ایک خط بھی اپنے قلم سے لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"خدا کا شکر ہے کہ جس کتاب کی تالیف چاہتا تھا وہ میسر ہو گئی امید ہے کہ میری خواہش کے مطابق ہی ہو گی اگر کوئی کمی رہ گئی ہو تو میری نیت خیر خواہی کی ہے اس میں کوئی کوتاہی نہیں ہے کیونکہ اپنے ہم مذہب بھائیوں کی خیر خواہی ہم پر واجب ہے اس کے علاوہ امیدوار ہوں کہ جو لوگ اس کتاب سے استفادہ کریں گے اور اس پر عمل کریں گے ان کے ثواب میں شریک رہوں گا کیونکہ بزرگ و عزیز ایک ہے اور ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبران حق کی آخری فرد تھے اور شریعت ایک ہے اور حلال محمد قیامت تک کے لئے حلال ہے اور حرام محمد قیامت تک کے لئے حرام۔"

کلینی نے اپنی پوری نورانی و پُر ثمر زندگی میں "الکافی" جو "اصول کافی" "فروع کافی" و "روضۂ کافی" پر مشتمل ہے اور "رد بر قرامطہ" کی تدوین و تالیف کے علاوہ چند دیگر کتب بھی درج ذیل عناوین کے تحت تحریر فرمائی ہیں:

۱۔ تفسیر رویا (تعبیر خواب)

۲۔ مجموعہ شعر (مشتمل بر قصائد جسے شعر مناقب و فضائل اہل بیت عصمت و طہارت میں کہا ہے)

۳۔ کتاب رسائل ائمہ علیہم السلام

۴۔ کتاب رجال

اگر ہم احادیث عصر شیعہ کی ترتیب و تحریر و چھان بین میں کلینی کی لگاتار کوشش اور خلاقیت و ذوق سے صرف نظر کرلیں تب بھی وہ اپنے زمانے کے علما کی محنت و مشقتوں کا ثمرہ کہے جائیں گے، ایک مضبوط پل اور حقیقی امانتدار جس نے اپنے عہد کے اساتذہ و علما کی منقولہ روایات واحادیث کو آیندہ نسل کے حوالے کیا درحقیقت کلینیؒ اپنے عہد کا نچوڑ و عطر تھے اور اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ

کلینی یعنی علی بن ابراہیم قمی، احمد بن محمد بن عیسٰی، احمد بن ادریس خمیری، ابن عقدہ اور اسی طرح ان کے دیگر دسیوں اساتذہ۔ جب کلینی کا ذکر ہو تو گویا اس عہد کی تمام خوبیوں، لطافتوں اور فضائل کی بات ہو رہی ہے اور کافی کا ذکر ہو تو گویا معارف و علوم کی تحصیل و کسب میں تشیع کے عزم و ارادۂ کامل کا چرچا ہو رہا ہے اسی طرح کافی پر گفتگو کلام اہلبیتؑ کے عطر اور پیغمبرؐ کی چھوڑی ہوئی امانت انی تارك فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی کی بات ہے۔

کلینی یعنی کافی یعنی اہل بیت کے چشمہ کا آب مقطر یعنی تاریخ کی کوہستانی وادی میں حدیث کا کوثر شیرین۔ کافی بقول شہید اول "... علم حدیث میں ہے اور امامیہ نے اس جیسی کتاب نہیں لکھی ہے" اور

شہید ثانی کے مطابق: "یہ ایسا آب مقطر و صافی ہے کہ قم میری جان کی کسی نویسندہ نے اس جیسی تالیف نہیں کی اور کلینی کی جلالت و قدر و منزلت پوری طرح اس کتاب سے ہویدا ہو جاتی ہے۔" شیخ مفید فرماتے ہیں کہ: "کتب شیعہ میں جلیل ترین اور مفید ترین ہے" اور فیض کاشانی کا قول ہے کہ: "شریف ترین، کامل ترین و جامع ترین ہے تمام کتابوں میں۔" محقق کرکی کا ارشاد ہے کہ "اس جیسی کتاب لکھی نہیں گئی۔ اس کتاب میں شرعی احادیث اور دینی رموز و اسرار اتنی مقدار میں جمع کئے گئے ہیں کہ دوسری کتاب میں نہیں پائے جاتے۔" اور مولی محمد اشتر آبادی کہتے ہیں کہ: "ہم نے اپنے اساتذہ و علما سے سنا ہے کہ اسلام میں کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جو کتاب کافی کے برابر یا اس کے نزدیک ہو۔"

شیعہ، واقعی اور دوستدار اہل بیت اور وہ لوگ جو اہل بیتؑ عصمت وطہارت کی رہبری میں چلنے کے دعویدار ہیں اور ان کی رہنمائی اور اشارہ کے خلاف جانا ضلالت و گمراہی مانتے ہیں انھیں چاہئے کہ قرآن و نہج البلاغہ و صحیفۂ سجادیہ کے پہلو میں کتاب کافی کو بھی جگہ دیں اور جب جی چاہے اپنی آنکھوں کو نور کلام قال الباقرؑ و قال الصادقؑ سے منور کر کے کافی کے دریچے سے آیات قرآن کا مطالعہ کریں اور متشابہات قرآن کے معانی کو خانوادۂ پیغمبر کی زبان معصوم سے سمجھ سکیں، المختصر

اگر قرآن کلام خدا ہے،

اگر نہج البلاغہ سخن امام المتقین ہے،

اگر صحیفۂ سجادیہ کلام سید الساجدین و زین العابدین ہے،

تو کافی .... امام باقرؑ، امام صادقؑ و دیگر ائمہ کا کلام ہے۔

"کافی" رنگ وحی و بوئے عصمت کی حامل ہے، عقل کی حدیث ہے اور جہل کی دشمن، پاسدار علم و حامل ایمان، کفر کو رسوا کرنے والی، امامت و ولایت کو روشن کرنے والی کتاب ہے۔ مکتب وحی کے غائبانہ (غیر حاضری کے) درس ہیں جو حضرت مہدی عجل اللہ تعالیٰ کی غیبت میں زندگی کاٹنے والوں کے لئے فراہم شدہ ہے۔

ستاروں کے ٹوٹنے والا سال

لائق دید ہیں ان مردانِ خدا کے چہرے جو بے شمار مصائب و مشکلات و غم کا سامنا کرنے کے بعد بھی خدا کی سپرد کی ہوئی امانت کو منزل تک پہونچاتے رہتے ہیں۔ کبھی حیرت کا تبسم، ان کا اطمینان و سکون دیکھنے والوں کے بدن میں ارتعاش پیدا کر دیتا ہے۔

کلینی ستّر سال سے اوپر کے ہو گئے تھے انہوں نے کافی کی تدوین و تالیف میں بیس سال کی کوشش، رنج و غم و مسافرت و غربت کی تکالیف جھیلی... اور وہ وقت آپہنچا کہ خدا کی ملاقات کے آستانہ پر راحت و آرام کی سانس لیں۔ ہاں وہ سانس جو ان کے ایثار، خود فراموشی و ادائیگی تکلیفِ شرعی کا نشان تھا اس وقت اگرچہ دنیا میں زندگی جی رہے تھے لیکن ان کا تنفس بہشت کی فضا میں تھا کیونکہ انہوں نے اپنی عمر کا سارا سرمایہ کلام اہلبیتؑ کے حوالے کر دیا تھا ان کی نشست گاہ یا تو مسجد تھی یا مجلس درس یا محراب عبادت، انہوں نے جسے بھی دیکھا اور جس استاد کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا وہ خدا جوئی اور خدا پر یقین کے ساتھ تھا۔

ہم خاکیوں کے لئے دنیا سے رہائی ایک نئی زندگی کے ہم معنی ہوتی ہے مگر کلینیؒ جیسے لوگ جو کبھی وابستہ بہ خاک نہیں ہوئے۔ ان کے لئے دنیا و آخرت کی سرحد وجود نہیں رکھتی۔ ہم بہشت کی آرزو کرتے ہیں مگر وہ تو اسی دنیا میں رہ کر بہشت پہونچ گئے انہوں نے موت کے انتظار میں شب و روز گذارے ان کے لئے اس خاکدان سے جانا و رہائی ایک حجرہ سے نکل کر دوسرے حجرہ میں جانا تھا۔ اس تفاوت و فرق کے ساتھ کہ ایک حجرہ میں وہ تمام عمر احادیث کے گلدستہ میں پیغمبرؐ و علیؑ و اولاد علی کے عطر کی خوشبو سونگھا کرتے تھے اور دوسرے حجرے میں چمنِ اہل بیت کے پھولوں کی زیارت کے لئے پہونچ گئے نہایت راحت و آرام کے ساتھ۔

۳۲۹ ہجری، تاریخ میں "سال تناثر نجوم" کے نام سے مشہور ہے۔ اس سال جبکہ بے شمار ستارے آسمان سے ٹوٹ کر گرے۔ وہ سال جب اس عالم خاکی کا آسمان بے ستارہ ہو گیا۔ بالآخر کلینیؒ تشیع کا مرد جانباز اسی سال اہل بیت کی زیارت سے بہرہ مند ہوا اور بغداد میں شعبان ۳۲۹ ہجری میں دار فانی کو الوداع کہا۔ انہوں نے صرف شیعوں ہی کو نہیں بلکہ دیگر تمام اسلامی مذاہب کے پیرووں کو جو ان کی طرف چشم انسانی مقدس الٰہی سے دیکھا کرتے تھے نیز مذہبی مشکلات میں ان سے رجوع کرتے تھے سوگوار کر دیا اور اپنے سفر آخرت سے بغداد کو سراسر ماتم کدہ بنا دیا۔

بزرگان و اشراف بغداد میں سے ایک بنام ابو قراط محمد بن جعفر حسنی نے

ان کے جنازے پر نماز پڑھی اور شیعوں نے اندوہ وغم بھرے دل سے احترام خصوصی کے ساتھ اس مرد خدا کے پیکر مقدس کو بغداد کے "باب کوفہ" بازار میں بغداد کے پل کے قریب دفن کر دیا لیکن یہ تنہا مصیبت نہ تھی جو اس سال شیعوں پر پڑی کیونکہ اسی سال حضرت امام مہدی عج کے چوتھے نائب خاص ابوالحسن علی محمد سمری بھی بستر علالت پر جاگزیں ہو گئے امام زمانہ عج نے ان کے لیے یہ نامہ لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"علی محمد سمری! خدا تمہاری موت کا اجر عظیم تمہارے خویش و اقارف کو عطا کرے کیونکہ تم آئندہ چھ دن اور زندہ رہو گے۔ لہٰذا اپنے کاروبار و ذمہ داریوں کو پورا کر لو اور اپنی جانشینی کیلئے کسی کو وصیت نہ کرو کہ غیبت کامل (غیبت کبریٰ) واقع ہو گئی ہے۔ اب میں ظاہر نہیں ہوں گا تاوقتیکہ پروردگار عالم کی اجازت و مرضی نہ ہو اور یہ ایک طولانی مدت کے بعد ہی ہوگا جب دل سخت ہو جائیں گے اور زمین ظلم وستم سے پر ہو جائیگی بہت جلد شیعوں میں ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو میرے دیدار کا دعویٰ کریں گے مگر

لے حضرت نے جس دیدار کی طرف اشارہ ہے وہ دعویٰ ظہور مہدویت اور اسی طرح بعضوں کی طرف سے نیابت خاصہ کا دعویٰ ہے۔ نوابین خصوصی کے عہد میں بھی بعض لوگوں کی جانب سے یہ جھوٹ گڑھا گیا تھا اسی طرح تاریخ کے پورے دور میں مسئلہ مہدویت گمراہ فرقوں میں ہمیشہ چلتا رہا ہے اور اس کلام کا موید بعد کا جملہ ہے کہ آنحضرت

انھیں جان لینا چاہئے کہ جو بھی خروجِ سفیانی و آسمانی چیخ کے قبل مجھے دیکھنے کا دعویٰ کرے وہ دروغ گو اور مفتری ہے۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ العَلِیِّ العَظِیْم۔"

خبر کا راوی احمد بن حسن مکتب کہتا ہے، اس حکم نامہ کے مطابق ہم نے بہت سے خطوط لکھے اور علی محمد سمری کے پاس سے چلے آئے۔ جب چھٹا دن آیا تو ان کے پاس پھر پہنچے دیکھا کہ عالم نزع میں ہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ تمہارا جانشین کون ہے؟ جواب ملا "خدا کے لئے ایک امر ہے جسے وہ خود پہونچانے والا ہے"۔ اتنا کہا اور جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

رحلتِ جانگداز کلینی و سمری اور اسی سال آغاز غیبت کبریٰ نے ہر شیعہ کے ذہن میں یہ سوال ڈال دیا کہ آیا کلینی و سمری کی رحلت اور اسی سال غیبت کبریٰ کے آغاز میں کوئی رابطہ حقیقی موجود ہے؟

کیا کافی جیسی بے نظیر و جامع کتاب شیعوں کی فکری و ثقافتی ضروریات کو پورا کرتی ہے اور یہی بات سبب بنی ہے کہ شیعہ امام زمانہ عج کے نواب خاص سے بے نیاز ہو جائیں؟ اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہو تو پھر کافی کی تکمیل اور آغازِ غیبت کبریٰ میں کلینی کی رحلت کے درمیان کوئی رابطہ نہ ہوگا۔ پھر بھی ایک بات

← نے خروج سفیانی اور آسمانی چیخ کا ذکر کیا ہے پس معلوم ہوا کہ بات ظہور کی ہے ورنہ حضرت نے مختلف اوقات میں علماء و بزرگان دین کے توسط سے تشیع کا خط و لائحہ عمل مرتب کیا ہے اور امام زمان کا دیدار ہر شیعہ کی تمنا ہے اور بہت سے ان کی خدمت میں پہونچے بھی ہیں۔

یں تنگ نہیں اور وہ یہ کہ کافی ۱۱۰۰ سال کے بعد آج بھی نئی باتیں بتاتی ہے اور ابھی تک فقیہان و مجتہدین کا ہاتھ اس کی بلند چوٹی تک نہیں پہونچ سکا ہے۔ اب بھی غواصوں کے ہاتھ میں گراں بہا ترین گہر نہیں آیا ہے اور وہ اس کی شناخت و قدر و قیمت کا اندازہ لگانے سے عاجز ہیں۔ آج بھی کافی فقہا کی کنجی اجتہاد کا رمز، عقیدہ واخلاق کی آموزش کی تحریر اور تربیت و آزادگی کی کلید ہے اور اگر کافی پر مزید ۱۱۰۰ سال گذر جائیں تب بھی تشیع کے افتخار کے لئے "کافی" کافی ہو گی۔

کافی ایک نسل، ایک صدی، ہزاروں صدیوں کے لئے نہیں کیونکہ کافی کتاب جاودانی ہے اور ہر نسل ہر صدی کے لئے سخن تازہ رکھتی ہے اسی لئے کافی کے مقدمہ یں کلینی کتاب کی جاودانیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"ہم امید رکھتے ہیں کہ اس زمانے کے لوگ اور وہ بھی جو دنیا کے خاتمہ تک آئیں گے سب کے سب اس کتاب سے استفادہ اور اس پر عمل کریں گے اور ہم ان کے ثواب میں شریک ہوں گے۔"

شاید دنیا کا خاتمہ "کافی" کا خاتمہ ہو کیونکہ شیعہ جاودانی بہشت میں ائمہ اطہار کے حضور میں بیٹھے ہوئے احادیث کو خود ان کی زبان مبارک سے سن رہے ہوں تو کافی کی ضرورت ہی نہ رہ جائے گی مگر کافی کا خاتمہ کلینی کا خاتمہ نہ ہوگا کیونکہ کلینی ایسا آغاز ہے جس کی انتہا نہیں ہے۔

آغازِ "کافی" پر سلام کہ جب تک دنیا ہے وہ بھی رہے گی اور سلام "کلینی" کے آغاز پر کہ اس کی حد و انتہا نہیں ہے۔

پیکرِ پاکؒ کلینی

بغداد میں امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی قبر کی زیارت کے لئے اتنے زیادہ زائرین آتے جاتے تھے کہ وہاں کے حکام میں سے ایک اس بات پر بہت خفا رہتا تھا۔ اپنے شدید مذہبی تعصب اور مرقد پاک امام کاظمؑ و امام تقیؑ جواد کی توہین کی نیت سے اس نے حکم دیدیا کہ حضرت کاظمؑ کی قبر کو کھودڈالا جائے کیونکہ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے ائمہ کا جسم سالم اور زندگی میں جیسا تھا ویسا ہی تروتازہ باقی رہتا ہے ۔ اس لئے موسی بن جعفرؑ کی قبر کو کھودنا چاہیئے تاکہ سب پر شیعوں کا جھوٹ کھل جائے اور بغداد میں زیارت کے لئے شیعوں کی رفت و آمد کا سلسلہ ختم ہوجائے ۔

حکم تو حاکم نے دیدیا مگر وزیر حکم کے اجرا میں آڑے آگیا اور بولا کہ شیعہ صرف یہی عقیدہ نہیں رکھتے کہ ان کے ائمہ کے اجسام و اجساد سالم ہیں بلکہ اپنے علماء کی نسبت بھی وہ یہی عقیدہ رکھتے ہیں ۔ پس بہتر یہ ہے کہ پہلے قبر کلینی کو کھودا جائے جو تشیع کے علمائے بزرگ میں گنے جاتے ہیں ۔ اگر مسئلہ حل ہوگیا قبر میں کچھ نہ ملا اور کوئی مشکل پیش نہ آئی تو قبر موسیٰ بن جعفر کو کھودیا جائے گا۔

اس مشورہ کی بناء پر ایک دن وزیر وحاکم و مصلح مزدوروں کی ہمراہی میں قبر کلینی پر پہنچے اور جب اسے کھودا تو پایا کہ ان کا کفن پوش جسم روبہ قبلہ ہے اور ان پر نیند غالب ہے اور ایک بچہ جو ان کے پہلو میں دفن کیا گیا تھا وہ بھی ویسے کا ویسا ہے اور کوئی تغیر نہیں ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر حاکم نے فوراً حکم دیا کہ قبر کو دوبارہ درست کیا جائے اور اس کے بعد اس نے اس پر قبہ و بارگاہ بنوادی جس کے بعد کلینی کا احترام اور زیادہ ہو گیا۔ یہ عظمت روز بروز بڑھتی جارہی ہے اور کلینی بلندی کی ایسی اونچی چوٹی پر گئے ہیں جہاں تک ہاتھ نہیں پہونچ سکتے۔ اس کی نایافتنی روز بروز آشکار تر ہوتی جارہی ہے اور ہمیشہ دلوں کو اپنی اس فکر و نظر کی طرف کھینچتی ہے، جس میں سوائے خدا کے کوئی شئے دیگر نہیں ہے۔ عہد صفویہ کے بزرگ علماء میں سے ایک ملّا محمد تقی مجلسی نے کلینی کی رحلت کے سات سو برس بعد اس مرد شجاع کے مرقد کی زیارت کی وہ کہتے ہیں:

"کلینی کا مقبرہ بغداد کے مولوی خانہ میں ہے اور "شیخ المشائخ" کے نام سے مشہور و معروف ہے اس کی زیارت شیعہ و اہل سنّت سبھی کرتے ہیں۔"

ان کی قبر کی زیارت اور اس روز کی امید میں جب خداوند سبحان کے محضر میں کلام اہل بیت کو اس کی نورانیت کے ساتھ لایا جائے گا اور احادیث اہل بیت کے زائرین کی تشفیع گرانقدر کتاب "کافی" ہوگی۔

"سلام اس دن پر جس دن وہ متولد ہوا اور اس دن پر جبکہ

وہ دنیائے اسلام کے آسمان پر آفتاب کی طرح درخشندہ ہوا
اور اس دن پر سلام جب اسے ذات اقدس الٰہی کی بارگاہ میں
اٹھایا جائے گا۔"

منابع و ماخذ

۱- شہیدان راہ فضیلت

۲- 〃 〃

۳- 〃 〃

۴- معجم البلدان ج ۳

۵- مفاخر اسلام ج ۳

۶- معجم البلدان ج۳

۷- سفینۃ البحار ج۲

۸- 〃 مدرک ج۲

۹- تاریخ قم

۱۰- 〃 مدرک

۱۱- تاریخِ قم بہ نقل از مفاخر اسلام ج۱

۱۲- 〃 مدرک

۱۳- رجال نجاشی

۱۴۔ قرب الاسناد

۱۵۔ مفاخر اسلام — ج ۳

۱۶۔ معجم الرجال الحدیث — ج ۱۱

۱۷۔ کافی — ج ۱ کتاب فضل علم حدیث اوّل

۱۸۔ رجال شیخ طوسی

۱۹۔ تحفۃ الاحباب

۲۰۔ مفاخر اسلام — ج ۲

۲۱۔ تفسیر عیاشی — ج ۲

۲۲۔ مفاخر اسلام — ج ۳

۲۳۔ فرہنگ فرق اسلامی

۲۴۔ ״

۲۵۔ ״

۲۶۔ فرہنگ فرق اسلامی

۲۷۔ ریحانۃ الادب — ج ۵

۲۸۔ مفاخر اسلام — ج ۳

۲۹۔ مہدی موعود

۳۰۔ ریحانۃ الادب — ج ۶

۳۱۔ ״

۳۲۔ مقدمہ کافی از خود ثقۃ الاسلام کلینی اصول کافی ج ۱

۳۳۔ ” مدرک

۳۴۔ ” ”

۳۵۔ ” ”

۳۶۔ مقدمۂ فارسی اصول کافی ج ۱

۳۷۔ مفاخر اسلام ج ۳

۳۸۔ مفاخر اسلام ج ۳

۳۹۔ مفاخر اسلام ج ۳

۴۰۔ مقدمہ فارسی اصول کافی ج ۱

۴۱۔ ” ” ج ۱

۴۲۔ ریحانۃ الادب ج ۴

۴۳۔ ” ج ۴

۴۴۔ ” ج ۴

۴۵۔ ریحانۃ الادب ج ۵

۴۶۔ ” ” ج ۵

۴۷۔ ” ” ج ۵

۴۸۔ مقدمہ کافی از خود ثقۃ الاسلام کلینی اصول کافی ج ۱ ص ۹

۴۹ ” ”

۵۰۔ ریحانۃ الادب ج ۵

۵۱۔ مقدمہ فارسی اصول کافی

۵۲۔ ریحانۃ الادب ج۵

۵۳۔ کمال الدین شیخ صدوق

۵۴۔ مقدمہ کافی از خود ثقۃ الاسلام کلینی ج۱

۵۵۔ ریحانۃ الادب ج۵

۵۶۔ مقدمہ فارسی اصول کافی

کلینی سے خمینی کا زمانی فاصلہ گیارہ صدیوں سے زائد نہیں لیکن خدا ہی جانتا
ہ تاریخ کی اس گزرگاہ پر کتنے ابرار و نیکو کاروں کے جسم پر تازیانے پڑے
سر دیدیئے گئے تاکہ کلینیؒ نے جس عمارت کا سنگ بنیاد رکھا تھا خمینیؒ
پایۂ تکمیل تک پہنچا دیں۔ کلینیؒ و خمینیؒ ایک ہی جان کے دو قالب میں ایک
صیت دونوں میں مشترک ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے خود کچھ نہ کہا۔ اگر زبان
کہا تو تب جب خدا نے کہا اور قلم نے تب لکھا جبکہ خدا نے لکھا۔

کلینیؒ کے باقیات میں آج ہمارے پاس "کافی" کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔
فی ہے کیا؟ کافی ہی تو کلینیؒ کا شناسنامہ (شناختی کارڈ) ہے اور ایسا
ناسنامہ کہ گیارہ سو سال کے بعد آج بھی تازہ بتازہ افادات بخشتا ہے اور
دکی چوٹی کو سر کرنے کے لئے اس راہ سے گذرنا لازم ہے کہ بغیر اس کے کوئی
رہ نہیں۔ وہ شناسنامہ جو اپنے سینہ میں ایسے ایسے نایاب ترین گہر ہائے
ار رکھتا ہے جس کے ادراک سے بہت سے غواصان علم و فہم قاصر ہیں۔

انصاریان پبلیکیشنز
پوسٹ بکس نمبر ۱۸۷ـ۳۷۱۸۵
قم جمہوری اسلامی ایران ٹیلی فون نمبر ۴۱۷۴۴